فلسفۂ شریعت پر اپنی نوعیت کی اولین تحقیقی کتاب

اسلامی شریعت

علم اور عقل کی میزان میں

اسلامی شریعت کی برتری
اور معقولیت کے سائنٹفک دلائل

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

مجلس نشریات اسلام
۱۔کے ۳۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸

فلسفۂ شریعت پر اپنی نوعیت کی اولین تحقیقی کتاب

اِسلامی شریعت

علم اور عقل کی میزان میں

★ اسلامی شریعت کی برتری اور معقولیت کے سائنٹفک دلائل
★ اسلامی شریعت کی حقیقت و ماہیت پر نئی روشنی
★ اسلامی شریعت کی ابدیت و عالمگیری کے حیران کن پہلو
★ اور بعض شبہات و اعتراضات کا مسکت تحقیقی جواب

از

مولانا محمد شہابُ الدّین ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱-کے-۳ ناظم آباد مینشن ناظم آباد نمبر ۱ کراچی نمبر ۷۴۶۰۰

نام کتاب ——————— اسلامی شریعت علم اور عقل کی میزان میں
مصنف ——————— مولانا محمد شہاب الدین ندوی
تعداد ——————— ایک ہزار
کتابت ——————— محمد بشیر الدین بنگلوری
مطبوعہ ——————— شکیل پرنٹنگ پریس کراچی

طابع وناشر
فضلِ ربی ندوی

مجلسِ نشریاتِ اسلام
۱۔کے۔۳ ناظم آباد ۱، کراچی نمبر ۱۸

(بہ تعاون واشتراک : فرقانیہ اکیڈمی بنگلور انڈیا)

خُدائی دین وشریعت

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ: حکم کرنا صرف اللہ ہی کا کام ہے۔ اُس نے تاکید کی ہے کہ تم صرف اُسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا طریقہ ہے۔

(یوسف : ۴۰)

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ: پھر ہم نے آپ کو ایسی شریعت پر مقرر کر دیا ہے جو (ہمارے) حکم سے ہے۔ لہٰذا آپ اسی کی پیروی کیجئے اور اُن لوگوں کی خواہشات پر مت چلئے جو (صحیح) علم نہیں رکھتے۔

(جاثیہ : ۱۸)

اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا : تو کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں، حالانکہ اُس نے تمہارے پاس ایک واضح کتاب بھیج دی ہے ؟

(انعام : ۱۱۴)

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ : اور تیرے رب کی بات سچائی اور اعتدال کے لحاظ سے پوری ہوئی (خدائی قانون کے یہ دو اوصاف ہر دور میں پورے ہوتے رہتے ہیں لہٰذا) اُس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

(انعام : ۱۱۵)

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ : یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں (علمی اعتبار سے) مضبوط و مستحکم کی گئی ہیں۔ پھر ایک حکمت والے اور باخبر کی جانب سے ان کی تفصیل کی گئی ہے۔

(ھود : ۱)

فہرستِ مضامین

۴۔ اجتہاد اور اُس کے نئے آفاق

پندرھویں صدی کی ایک تجدیدی ضرورت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اسلامی شریعت کا معجزہ اور جدید علمی چیلنج

دنیا کے مختلف مذاہب اور اُن کے قوانین کے تفصیلی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ قوانین میں سوائے اسلامی شریعت کے کوئی دوسرا قانون ایسا موجود نہیں ہے جو پوری نوع انسانی کی فلاح و بہبودی اور اُس کی ہدایت و رہنمائی کا دعویٰ کر سکتا ہو۔ اور یہ قانون، جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے، نہ صرف معتدل و متوازن ہے بلکہ وہ حد درجہ معقول اور حکمت و مصلحت سے بھرپور بھی ہے، جو خدائے رحمان کی رحمانیت اور نوع انسانی پر اُس کی رحمت اور عدل گستری کا بھی مظہر ہے۔ چنانچہ اسلامی شریعت کے تمام احکام نہ صرف معقول اور مطابقِ عقل ہیں، بلکہ وہ محکم علمی بنیادوں پر بھی قائم ہیں، جس کے باعث وہ کامل، برتر اور دائمی قانون کے درجے پر فائز نظر آتے ہیں اور اسی بنا پر خدائی قانون میں تبدیلی محال ہے۔ مگر ان تمام باتوں کا صرف زبانی جمع خرچ یا مجرد دعویٰ کر دینا موجودہ دور اور اُس کے تقاضوں کے لحاظ سے ہرگز کافی نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی شریعت کی عظمت و برتری ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عالم انسانی پر علمی و عقلی دلائل کی روشنی میں اسلامی شریعت کی ضرورت و اہمیت

اور اُس کی حکمتوں اور مصلحتوں کو اُجاگر کیا جائے اور صحیح اسلامی اقدار (VALUES) کا تعارف کرایا جائے، جو آج ہمارے عمل کی کمزوری کی بنا پر پس پُشت چلے گئے ہیں۔

اور پھر یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ موجودہ دور میں قرآن مجید ہی وہ واحد صحیفۂ ربانی ہے جس نے دینی معاملات اور شرعی احکام میں غور وفکر کر کے ان کی عقلی حکمتیں اور مصلحتیں معلوم کرنے پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ ایک طرف اسلامی شریعت کی معقولیت ثابت ہو تو دوسری طرف نوع انسانی پر اس کی عظمت و برتری کے نقوش بھی واضح ہو سکیں۔ اس حیثیت سے دین میں عقل و دانش کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ چنانچہ آپ اس کی اہمیت کا اندازہ اس طرح لگا سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں لفظ علم (اور اُس کے مشتقات) ۸۸۰ مرتبہ، عقل ۵۰ مرتبہ، فکر ۱۲ مرتبہ اور فقہ (سمجھ بوجھ) ۲۱ مرتبہ آئے ہیں۔ اور ان مقامات پر انسان کو جس طرح کائنات کی مختلف اشیاء میں غور و خوض کر کے ایک خالق برتر ہستی کے وجود اور اُس کی ربوبیت کا حال دریافت کرنے یا اُس کی حکمتِ تخلیق معلوم کرنے کی دعوت دی گئی ہے، بالکل اسی طرح شرعی احکام یا خُدا کے حکموں میں بھی غور و خوض کر کے ان کی عقلی و علمی حکمتیں اور مصلحتیں آشکارا کرنے پر بھی اُبھارا گیا ہے۔ مثلاً متعدد مقامات پر وہ شرعی اُمور کے بیان کے بعد کہتا ہے:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ : اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام کی وضاحت کرتا ہے، تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔ (بقرہ : ۲۴۲)

اور کہیں پر وہ شرعی احکام میں غور و فکر کی دعوت اس طرح دیتا ہے:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ : اسی طرح اللہ تمہارے لئے احکام کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔ (بقرہ : ۲۱۹)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت اور اسلامی قانون ایک پُراز حکمت اور معقول و مُدلّل قانون ہے۔ ورنہ اسلام اس میں غور و خوض کی اجازت نہ دیتا' جیسا کہ اس سلسلے میں دیگر ادیان اور دیگر شریعتوں کا حال ہے' جن میں عقل یا غور و فکر کو کوئی دخل نہیں ہے۔ نیز اس کے علاوہ اسلامی قوانین کی اور بھی بہت سی خصوصیتیں ہیں' جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ (مائدہ : ۳)

۲۔ وہ ہدایت و رحمت سے بھرپور ہے۔ (اعراف : ۵۲)

۳۔ وہ ایک حیات پرور ضابطہ ہے۔ (انفال : ۲۴)

۴۔ وہ معقول یا قابلِ تحسین اُمور (معروف) پر مشتمل ہے۔ (اعراف : ۱۵۷)

۵۔ وہ نامعقول باتوں یا اُمورِ ناشناس (مُنکر) سے خالی ہے۔ (اعراف : ۱۵۷)

۶۔ وہ پاکیزہ چیزوں (طیّبات) کا مجموعہ ہے۔ (اعراف : ۱۵۷)

۷۔ وہ ناپاک چیزوں (خبائث) سے عاری ہے۔ (اعراف : ۱۵۷)

۸۔ وہ معتدل و متوسط ضوابط (عدل) کا حامل ہے۔ (نحل : ۹۰)

۹۔ اُس کے ضوابط آسان ہیں۔ (بقرہ : ۱۸۵)

۱۰۔ اسلامی قانون میں کوئی "حرج" یعنی تنگی نہیں ہے۔ (مائدہ : ۶، حج : ۷۸)

۱۱۔ وہ حکمت و مصلحت سے بھرپور ہے۔ (بنی اسرائیل : ۳۹)

اس لحاظ سے اسلامی شریعت یا قانون علمی و عقلی خوبیوں اور حکمتوں سے بھرپور ہونے کی بنا پر ایک خدائی معجزہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ غیر مُسلم تو درکنار آج خود مُسلمان بھی اسلام اور اسلامی قانون کی ان خوبیوں سے ناواقف ہیں. بلکہ انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ آیا اسلامی قانون میں ایسی خوبیاں ہو بھی سکتی ہیں! لہٰذا صاف بات ہے کہ جب وہ خود ہی نہیں جانتے کہ ہمارا دین کیا ہے اور ہمارا قانون کیا ہے تو وہ دوسروں کو اپنے دین و شریعت کی خوبیاں کیا خاک سمجھا سکیں گے؟ یہی وجہ ہے کہ آج ہندوستان میں مسلمان نہ صرف ذلیل کئے جا رہے ہیں، بلکہ مسلمانوں کے قانون کو ایک ظالمانہ اور جابرانہ قانون قرار دے کر اسے بدلنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ شاہ بانو کیس اور پھر یکساں سول کوڈ کی تحریکیں سب اسی کا مظاہرہ ہیں۔ ان جارحانہ تحریکوں کے باعث آج ہندستانی مسلمان اس درجہ بدحواس اور سراسیمہ ہوگئے ہیں کہ وہ اب بالکل دفاعی لائن اور دفاعی پوزیشن میں آگئے ہیں۔ اور اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ سوائے چند "دستوری تحفظات" کے مطالبے کے نظر نہیں آرہا ہے۔ بلکہ ان کی آنکھوں

کے سامنے اندھیرا سا چھایا ہُوا نظر آتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلمان جب تک پیامِ الٰہی کو پوری طرح سمجھ کر اس پر عمل پیرا نہیں ہوں گے وہ اسی طرح ذلیل و خوار ہوتے رہیں گے۔ اور ان پر بلائیں اور مُصیبتیں بھی اسی طرح نازل ہوتی رہیں گی حقیقت یہ ہے کہ غیروں سے کیا گلہ آج خود مسلمان ہی خُدائی قانون سے بالکل اجنبی سے دکھائی دیتے ہیں۔ نہ تو وہ نظریاتی اعتبار سے اس قانون اور اُس کی خوبیوں سے واقف ہیں اور نہ وہ عملی اعتبار سے ہی اس پر عامل ہیں۔ لہٰذا مخالفانہ پروپگنڈے سے جس طرح غیر مسلم متاثر ہوتے ہیں، اسی طرح خود مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے۔ لہذا وہ دفاع کریں تو کیا اور کیونکر؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ "تحفظات" کی "بھیک" مانگنے پر مجبور ہیں۔

اگر مسلمانوں نے اس ملک میں اسلامی شریعت اور اسلامی قانون کا صحیح معنی میں تعارف کرایا ہوتا اور خدائی منشا کے مطابق اسلامی قوانین کی خوبیوں کو علمی و عقلی دلائل کی روشنی میں اُجاگر کیا ہوتا تو آج یہ نوبت نہ آتی۔ لہٰذا اسلامی شریعت و قانون کے سلسلے میں یہ مخالفانہ و معاندانہ تحریکیں زیادہ تر اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت یا پھر سیاسی رقابت کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے اس مخالفانہ طوفان کے رُخ اور اس کے دھارے کو موڑنے کے لئے ہمیں آج بھی خُدائی ہدایات پر عمل پیرا ہوتے ہُوئے صحیح لائن اور صحیح رُخ پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

آج شاہ بانو کیس کے بعد فضا اس کے لئے بہت بڑی حد تک سازگار ہو چکی ہے۔ چنانچہ آج بہت سے پڑھے لکھے ہندو بھی اسلامی قانون اور اُس کی حقیقت کو کُھلے ذہن و دماغ کے ساتھ سمجھنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ لہٰذا اس موقع کو غنیمت بلکہ ایک بہت بڑی خُدائی وغیبی امداد تصوّر کرتے ہُوئے اب مُسلمانوں کو اس میدان میں نئے سرے سے اور نئی عزیمت کے ساتھ کام کرنا چاہئے۔ تاکہ اسلامی قانون کی برتری کا سکّہ قائم کیا جا سکے۔ اور ضرورت اب اس بات کی ہے کہ علمی و عقلی دلائل سے مزیّن نئے قسم کا لٹریچر خاص کر انگریزی زبان میں تیار کیا جائے۔ مگر اس سلسلے میں ایک مشکل یہ ہے کہ آج مُسلمانوں کے سوچنے کا انداز اتنا سطحی ہو گیا ہے کہ اب شاہ بانو کیس کے فیصل ہو جانے کے بعد وہ اس کی ضرورت

اور اہمیت کو محسوس ہی نہیں کرتے۔ اور نہ ہی ان کے سروں پر یکساں سول کوڈ کی لٹکتی ہوئی تلوار انہیں ہوش میں لا رہی ہے۔ گویا کہ ان کا کام محض سیاسی قسم کے چند مظاہرے کرنا تھا اور بس۔ اب جبکہ مسلمانوں کے پرسنل لا (اسلامی قانون) میں عدم مداخلت کا ایکٹ یعنی مسلم خواتین (تحفظِ حقوق مابعد طلاق) ایکٹ ۱۹۸۶ء بن چکا ہے تو اب گویا کہ اس قسم کا علمی کام ان کی نظر میں ایک تضییعِ اوقات ہے۔ ظاہر ہے کہ اس غلط اندازِ فکر کو بدلنے اور معقول و حقیقت پسندانہ رویہ اپنانے کی سخت ضرورت ہے۔ ورنہ پھر آنے والا وقت ہمیں کبھی معاف نہیں کرسکتا۔ بلکہ آنے والے نئے نئے فکری طوفانوں کا اندازہ کرتے ہُوئے ہمیں قبل از وقت ہی چوکنا اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں پھر سے ہم پر گھیرا ڈال کر شب خون مار دیا جائے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ "ایک مسلمان ایک بل سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاسکتا"۔ اس اعتبار سے پہلی مرتبہ غفلت و بے خبری تو معاف ہوسکتی ہے مگر دوبارہ غفلت و بے خبری ناقابلِ معافی ہوگی۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم خود کو بدلیں اور قانونِ فطرت اور قانونِ خُداوندی کو سمجھنے کی کوشش کریں جن پر اقوامِ عالم کے عروج و زوال کا مدار ہے۔ محض تحفظات کے بل بوتے پر کوئی قوم اور کوئی ملّت زندہ نہیں رہ سکتی۔

غرض اگر آج ہم کو ہندوستان میں بحیثیت ایک ملّت زندہ رہنا ہے تو پھر ہمیں اپنی اجتماعی زندگی کے تحفظ کے لئے ہر طرح کے جتن کرنے پڑیں گے۔ اور ان میں سے ایک اہم ترین اقدام یہ ہے کہ اب ہم اپنے دین و شریعت کی معقولیت کا غیر مسلموں کو قائل کرائیں اور اُن کے سامنے اسلامی تہذیب اور اسلامی قانون کے امتیازی خصائص پیش کریں جن کی بنیاد پر اسلامی تہذیب و معاشرت دیگر ادیان، دیگر تہذیبوں اور دیگر تمام قوانین سے ممتاز نظر آسکے۔ اور جب تک یہ کام عقلی و علمی بنیادوں پر پورا نہ کیا جائے نوعِ انسانی پر عقلی اعتبار سے حجّت پوری نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو صاف صاف فرماتا ہے:

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ : کہہ دو کہ اللہ ہی کی حُجت غالب رہے گی۔ (انعام: ۱۴۹)

اب ظاہر ہے کہ اللہ کی اس حُجت کو غالب کرنا اللہ کے فرمانبرداروں ہی کا کام ہے۔ لہٰذا

اگر ہم اس ذمہ داری کے ادا کرنے میں ناکام ہوگئے تو پھر ہم اللہ کے نزدیک مجرم قرار پائیں گے کیونکہ اب دنیا میں کوئی نیا پیغمبر نہیں آئے گا۔ بلکہ اب علماء ہی انبیاء کے اصل وارث ہیں اور انہی کو یہ فریضہ انجام دینا ہے۔ مگر تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی بلکہ ہمیشہ دو ہاتھوں سے بجتی ہے۔ لہٰذا ملت کے صاحبِ استطاعت لوگوں کو اس سلسلے میں علماء اور اہلِ قلم کا ساتھ دینا چاہئے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی ادا کرسکیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت اہلِ بصیرت علماء اور اہلِ قلم حضرات کی ذمہ داریاں دوچند ہوگئی ہیں۔ لہٰذا اب انہیں پورے کیل کانٹوں سے لیس ہوکر میدان میں آنا چاہئے تاکہ اسلامی شریعت کی عظمت و برتری کا سکہ وہ پورے دلائل کی روشنی میں نوعِ انسانی کے ذہنوں میں بٹھا سکیں تاکہ پھر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اسلامی قوانین غیر معقول یا غیر متوازن ہیں۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ : تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل (دیکھ لینے) کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل (دیکھ لینے) کے بعد زندہ رہے۔ (انفال : ۴۲)

یہ عصرِ جدید کی ایک اہم ترین ضرورت بلکہ ایک تجدیدی نوعیت کا کام ہے، جو تحقیق و تفتیش، سخت محنت اور جانفشانی کا طالب ہے، کیونکہ اس سلسلے میں دُنیا بھر کے مختلف قوانین اور مختلف تہذیبوں کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ جدید علوم و فنون اور جدید حقائق سے بھی مدد لینے کی شدید ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک اسلامی قوانین کا دیگر قوانین کے ساتھ تقابلی مطالعہ نہیں کیا جاتا اسلامی قوانین کی خوبیاں پوری طرح اُجاگر نہیں ہوسکتیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت اپنے اعتدال و توازن اور اپنی معقولیت کی بنا پر ہر دور کے لئے ایک دائمی اور ناقابلِ تغیّر قانون ہے، جو ایک خُدائی معجزہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس معجزے کی حقیقت موجودہ عقلیت پسند دور میں جب تک معقول بنیادوں پر نوعِ انسانی پر واضح نہیں ہوجاتی وہ اس کو ہرگز ایک برتر قانون تسلیم نہیں کرسکتی۔ لہٰذا موجودہ دور کا سب سے بڑا چیلنج اور سب سے بڑی ضرورت ہے کہ ہم اسلامی شریعت

کی تفہیم و تشریح اور دیگر قوانین کے ذریعہ اُس کا تقابل اس طرح کریں کہ وہ واقعی ایک معجزہ اور ایک ابدی و برتر قانون نظر آنے لگے جو دائمی اور ناقابلِ تغیّر بھی دکھائی دیتا ہو۔

اس موقع پر یہ حقیقت بھی واضح رہنی چاہئے کہ شاہ بانو کیس کے سلسلے میں سپریم کورٹ نے جو غلط فیصلہ دیا تھا، وہ کوئی اچانک یا غیر متوقع فیصلہ نہیں تھا۔ بلکہ اس کی کھچڑی بہت پہلے سے پک رہی تھی اور مختلف سمیناروں اور مذاکرات کے ذریعہ اس کی فضا کافی عرصے سے تیار کی جارہی تھی۔ چنانچہ انڈین لا انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی کے زیرِاہتمام ۱۴ر تا ۱۶ر جنوری ۱۹۷۲ء میں "اسلامک لا اِن ماڈرن انڈیا" کے زیرِعنوان ہونے والے سمینار میں سپریم کورٹ کے ایک وکیل دانیال لطیفی نے CHANGE AND THE MUSLIM LAW کے نام سے ایک مقالہ پیش کیا تھا، جس میں اُنہوں نے مُسلم مُطلّقہ کے نفقہ کے سلسلے میں فوری تبدیلی کی حاجت کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے سورۂ بقرہ کی اُنہی آیات (۲۴۱ - ۲۴۲) کو پیش کیا تھا، جس پر ۱۳ سال بعد ۲۳ر اپریل ۱۹۸۵ء میں سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا۔ دیکھئے کتاب " اسلامک لا اِن ماڈرن انڈیا" صفحہ ۱۱۰، مطبوعہ ترپاٹھی بمبئی، ۱۹۷۲ء۔ اور دانیال لطیفی وہی صاحب ہیں جو سپریم کورٹ میں شاہ بانو کے وکیل تھے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مختلف تحریکوں کی بنا ڈالنے والے قانون داں اور "دانشور" قسم کے لوگ ہوتے ہیں، جو اس قسم کی کسی بھی تبدیلی یا " اصلاح " کے لئے حکومت یا عدالتوں، کو مختلف قسم کی تجاویز پیش کرتے رہتے ہیں۔ پھر حکومتی ادارے ان تجاویز کو روبعمل لاتے ہیں۔ لہٰذا اس قسم کے لوگوں کی ذہن سازی یا " ذہنی دُھلائی " کے لئے جوابی تحریکوں کا ہونا اشد ضروری ہے، تاکہ اس قسم کے فتنوں کا صحیح اور بروقت توڑ علمی طور پر کیا جاسکے۔ ورنہ مُسلمان عام طور پر اُس وقت جاکر چونکتے یا بیدار ہوتے ہیں جب یہ تحریکیں پھل دینے لگتی ہیں یا اُن کے ثمرات و حاصلات کے ظہور کے باعث کوئی " دھماکہ " ہوچکتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایک سانپ کو سر نکالتے ہی کچل دیا جائے، اُس کے ڈسنے کا انتظار نہ کیا جائے۔

اس اعتبار سے ایک علمی تحریک کا جواب صحیح معنی میں ایک جوابی علمی تحریک ہی ہو سکتی ہے، کیونکہ لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے۔ اور اس اعتبار سے سیاسی قسم کے احتجاج وغیرہ کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔ جو یقیناً غفلت کے بعد جاگنے کا نتیجہ ہے۔ غرض ہماری ملت کو ہمہ وقت بیدار رہنے اور اپنی بیداری کا ثبوت مہیا کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ ہمیشہ صفِ اول کی تحریک یعنی "علمی تحریک" میں رہے، تاکہ اُسے احتجاجی قسم کی تحریکوں سے نجات مل سکے جو یقیناً غفلت اور لاپرواہی کی علامت ہے۔ اور پھر اس کی وجہ سے علمی طبقے میں یہ بھی تاثر پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان صرف احتجاجی میدان ہی میں نظر آتے ہیں اور علمی میدان میں بہت پیچھے رہتے ہیں۔ اگر ہماری ملت بیدار ہوتی تو ۱۹۷۲ء ہی میں اس غلط تحریک اور فتنے کا سر کچل سکتی تھی، اور اُسے ۱۴ سال بعد سڑکوں پر نکل آنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ غرض مسلمانوں کی سب سے بڑی کوتاہی یہ ہے کہ وہ کوئی صحیح علمی تحریک چلانے کا شعور ہی نہیں رکھتے۔ لیکن اب تک انہوں نے اس راہ میں اگر کوئی کوتاہی کی ہے تو اب انہیں پوری طرح ہوش میں آجانا چاہئے۔

لہٰذا فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ نے اس سلسلے میں اپنی بساط کے مطابق ایک نئی قسم کی علمی تحریک چلانے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اور یہ بھی طے کیا ہے کہ اس موضوع پر تحقیق اور ریسرچ کر کے نئے انداز کا لٹریچر اُردو کے علاوہ انگریزی زبان میں بھی تیار کیا جائے، جو ہمارے قدیم اور روایاتی قسم کے لٹریچر سے یکسر مختلف ہو۔ چنانچہ اس سلسلے کی یہ پہلی کتاب ہے جو اُصولی مسائل و مباحث پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو زبان میں غالباً اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ اب رہی بات اسلامی قوانین کی خوبیوں اور اُن کے تفصیلی دلائل نیز دیگر قوانین سے اُن کے موازنے اور مقابلے کی تو اس سلسلے میں چند کتابیں زیرِ تکمیل ہیں، جو انشاء اللہ بہت جلد منظرِ عام پر آئیں گی۔ مگر ضرورت ہے کہ جدید شرعی مسائل پر خاطر خواہ کام کرنے کے لئے اکیڈمی میں ایک علیحدہ شعبہ قائم کیا جائے، جس میں چند باصلاحیت علماء کو وظائف دے کر انہیں تحقیقی کام پر لگا دیا جائے۔ مگر اس کے لئے اکیڈمی کے پاس کوئی سرمایہ یا فنڈ موجود نہیں ہے۔ اور نہ ہی مستقل آمدنی ہی کا کوئی ذریعہ ہے۔ لہٰذا ہم

اس سلسلے میں بہت زیادہ فکر مند ہیں کہ اس مشکل مسئلے کو کس طرح سلجھایا جائے؟ ملت کے دردمندوں سے اپیلیں کرتے کرتے ہم تھک گئے ہیں، مگر کوئی خاطر خواہ فائدہ نظر نہیں آرہا ہے۔ نتیجہ یہ کہ یہ ادارہ دن بدن مقروض ہوتا جارہا ہے۔ لیکن پھر بھی ہم ناامید نہیں ہیں۔ اور خداوندِ کریم کی ذاتِ بابرکات سے قوی توقع ہے کہ وہ اس مشکل مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالے گا۔ کیونکہ اُس کا وعدہ سچا ہے کہ وہ اُس کی راہ میں جدوجہد کرنے والوں کو کبھی ناکام نہیں کرتا، بشرطیکہ خلوص اور لگن کے ساتھ کام کیا جائے۔ لہٰذا ہم اسی اُمید کے سہارے اس کام میں پوری تندہی کے ساتھ جُٹے ہوئے ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ یہ تائیدِ غیبی کب اور کس طرح ہمارے دروازے پر دستک دیتی ہے؟

راقم سطور نے اپنی ایک سابقہ تصنیف "شریعتِ اسلامیہ کی جنگ" کے مقدمے میں تحریر کیا تھا کہ اسلامی شریعت کے موضوع پر چند کتابیں زیرِ تکمیل ہیں، جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱۔ اسلامی شریعت کیا ہے؟

۲۔ اسلامی شریعت پر اعتراضات کا جائزہ

۳۔ اسلام میں عورت کا درجہ

چنانچہ پیش نظر کتاب یعنی " اسلامی شریعت: علم وعقل کی میزان میں " کتاب اول کے نام کی تبدیلی کے ساتھ پیش کی جارہی ہے اور دوسری کتاب حسبِ ذیل دو الگ الگ کتابوں کا روپ دھار چکی ہے:

(الف) تعددِ ازدواج اور مذاہبِ عالم
عقل کی کسوٹی پر

(ب) طلاق اسلام اور عائلی قوانین میں
اسلامی قانون کی برتری اور معقولیت کا ایک جائزہ

یہ دونوں کتابیں انشاء اللہ بہت جلد آپ کی خدمت میں پیش کی جائیں گی۔ ایسے ہی تیسری کتاب تو وہ تیاری کے ابتدائی مراحل میں ہے۔ ان کے علاوہ اسلامی شریعت میں سوّر کے گوشت

کی جو حرمت آئی ہے اُس کے علمی وجوہات اور سائنٹفک دلائل پر بھی ایک کتاب زیرِ تکمیل ہے۔ جو خدا نے چاہا تو بہت جلد منظرِ عام پر آئے گی۔ اس طرح اسلامی شریعت کی عظمت و برتری ثابت کرنے کے لئے مختلف حیثیتوں سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

پیشِ نظر کتاب مذکورۂ بالا تمام کتابوں کے لئے ایک مقدمہ کے طور پر پیش کی جارہی ہے۔ اور اس میں اسلامی شریعت کے مزاج، اُس کے ابدی اُصولوں اور اُس کی بعض امتیازی خصوصیات کے علاوہ اجتہاد کی حقیقت و ماہیت، موجودہ دور میں اُس کی ضرورت و اہمیت اور اُس کے شرائط و مُبادی وغیرہ پر بھی سیر حاصل بحث کرتے ہوئے بعض غلط رجحانات و تحریکات کا بھی ایک جائزہ لیا گیا ہے اور غلط افکار و نظریات پر تنقید کی گئی ہے۔ تاکہ اس سلسلے کے صحیح اُصول کی وضاحت کے ساتھ غلط فہمیوں کا پردہ بھی پوری طرح چاک ہو جائے اور ہر چیز نکھر کر سامنے آجائے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اسلامی شریعت کے اُصولی مباحث پر مشتمل ہے، جن کا تعلق " اُصولِ فقہ " یعنی ISLAMIC JURISPRUDENCE سے ہے۔

غرض موجودہ دور کی تیز رفتار کے لحاظ سے اب ضروری ہو گیا ہے کہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی قانون کو نئے قالب اور نئے پیرہن میں پیش کیا جائے۔ لہٰذا اللہ کا نام لے کر اس سلسلے کی یہ پہلی کتاب پیش کی جارہی ہے۔ اور انشاء اللہ اس کے بعد اس قسم کی مزید کتابوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یہ نیا سلسلہ چونکہ خالص علمی و تحقیقی نوعیت کا حامل ہے، لہٰذا اس کی اہمیت و افادیت سے انشاء اللہ اگلا کوئی بھی دور مستغنی نہیں رہ سکتا۔ بلکہ یہ ہر دور کے لئے مفید اور کار آمد رہے گا۔ خداوند کریم سے دُعا ہے کہ وہ اس سلسلے کو مقبول و نافع بنائے۔ اور اس سلسلے میں اگر کوئی غلطی واقع ہو گئی ہو تو اسے معاف فرمائے۔

خادمِ ملّت

محمد شہاب الدین ندوی

۲۲/۱۲/۱۴۰۷ھ
۱۸/۸/۱۹۸۷ء

(۱)

کیا اسلامی شریعت میں تبدیلی کی ضرورت ہے؟

ایک علمی و تحقیقی جائزہ

پچھلے چند دہوں سے مختلف اخبارات اور سیمیناروں کے ذریعہ بعض جدید تعلیم یافتہ حلقوں میں یہ پروپگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ اسلامی شریعت کے بعض حصوں میں (جن کا تعلق مسلم پرسنل لا سے ہے) اصلاح اور تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اور دعویٰ یہ کیا جا رہا ہے کہ وہ حالات و زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتے، کیونکہ یہ قوانین آزادئ نسواں اور حقوقِ خواتین سے متصادم ہیں۔ چنانچہ جن اسلامی قوانین کو سب سے زیادہ نشانۂ ملامت بنایا جا رہا ہے وہ طلاق اور تعدّدِ ازدواج (POLYGAMY) ہیں۔ گویا کہ یہ قوانین، بنا کر اسلام نے عورتوں کی حق تلفی کی ہے اور ان کے ساتھ بہت بڑا ظلم اور ناانصافی کی ہے۔ لہٰذا "اصلاح پسندوں" کا نعرہ ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے ان اسلامی قوانین کو بدل دیا جائے یا ان کی "اصلاح" اس طرح کر دی جائے کہ وہ "لنگڑے لولے" اور بالکل "بے ضرر" بن کر رہ جائیں۔ لہٰذا وہ اپنی طرف سے مختلف "اصلاحی تجاویز" پیش کرتے ہیں کہ ان قوانین میں تبدیلی اس انداز کی ہو۔ اور یہ مطالبہ جس طرح غیر مسلموں کی طرف سے ہوتا ہے اسی طرح ان کے ہمنوا بعض مسلم "دانشوروں" کی طرف سے بھی کیا جاتا ہے اور وہ "اجتہاد" کے نام پر اس قسم کے احکام میں تبدیلی کرنے کے خواہشمند نظر آتے ہیں۔ یعنی چونکہ اسلامی شریعت میں صاف صاف تبدیلی کی بات کرنا قابلِ اعتراض ہو سکتا ہے،

لہٰذا وہ اجتہاد کا پُرفریب نعرہ بلند کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ اب حالات و زمانے کی رعایت سے اس قسم کے احکام میں دوبارہ اجتہاد کرنا یا دوبارہ غور و فکر کے ذریعہ ان میں ترمیم و اصلاح کرنا ضروری ہوگیا ہے۔ حالانکہ اجتہاد کا بنیادی اُصول یہ ہے کہ قیاس و اجتہاد صرف انہی مسائل میں ہوسکتا ہے جو غیر منصوص ہوں یعنی جن مسائل کی تصریح میں قرآن اور حدیث خاموش ہوں اُن میں اُن دونوں کی رُوح کو پیش نظر رکھ کر غیر منصوص یعنی غیر مذکور مسائل کا حکم معلوم کرنے کا نام اجتہاد ہے۔ یہ نہیں کہ مذکور شدہ احکام و مسائل ہی کو بدل دیا جائے یا انہیں معطّل کر دیا جائے۔ اس کا نام اجتہاد نہیں بلکہ دین کی تحریف و تنسیخ ہے۔ اور یہ کام صرف شارع کا ہے کہ وہ اپنے جس حکم کو چاہے منسوخ کرسکتا ہے اور جس کو چاہے برقرار رکھ سکتا ہے۔ لہٰذا ایک مجتہد کبھی شارع نہیں بن سکتا اور وہ اس منصب پر کبھی فائز نہیں ہوسکتا۔

شریعت میں تبدیلی کا حق خود رسُول کو بھی نہیں تھا

اسلامی نقطۂ نظر سے اصل شارع (واضعِ شریعت) صرف باریٔ تعالیٰ ہے اور اُس کے رسول تک کو اس میں تبدیلی کا کوئی حق نہیں ہے۔ بلکہ رسول شریعت یا حکمِ الٰہی کا شارح و مفسر ہے، جیسا کہ قرآن حکیم کی متعدد آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ: حکم کرنا صرف اللہ ہی کا کام ہے۔ اُس نے تاکید کی ہے کہ تم صرف اُسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا طریقہ ہے۔ (یوسف : ۴۰)

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ : پھر ہم نے آپ کو ایسی شریعت پر مقرر کر دیا ہے جو (ہمارے) حکم سے ہے، لہٰذا آپ اسی کی پیروی کیجئے اور اُن لوگوں کی خواہشات پر مت چلئے جو (صحیح) علم نہیں رکھتے۔ (جاثیہ : ۱۸)

فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ کَفُوْرًا : تم اپنے رب کے حکم پر ڈٹے رہو، اور ان منکرینِ حق میں سے کسی بھی خطاکار یا حق بات چھپانے والے کا کہا مت مانو۔ (دہر: ۲۴)

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَ

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ : اور ہم نے یہ کتاب آپ پر اسی لئے اُتاری ہے کہ آپ انہیں وہ بات کھول کر بتا دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اور یہ اہلِ ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت بھی ہے۔ (نحل : ۶۴)

وَاتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ: اور پڑھو اپنے رب کی کتاب میں سے جو تمہارے پاس بطورِ وحی بھیجی گئی ہے۔ اُس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ (کہف : ۲۷)

اجتہاد کن مسائل میں ؟

ظاہر ہے کہ جب خود رسول بھی شریعتِ الٰہی کا پابند ہے اور اس میں وہ کسی قسم کا ردّ و بدل نہیں کر سکتا تو پھر یہ حق دوسروں کو کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ ایک مجتہد کا کام "منصوص احکام" (صراحت شدہ مسائل) میں اصلاح و تبدیلی نہیں بلکہ صرف ان کی تشریح و تفسیر کرنا اور نئے احکام و مسائل میں شریعت کا حکم معلوم کرنا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت ہدایت فرمائی تھی۔ دیکھئے اس میں کتنی صراحت کے ساتھ ان مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے:

> جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے معاذ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجنا چاہا تو آپ نے اُن سے (بطورِ امتحان) دریافت فرمایا کہ جب تمہارے سامنے کوئی قضیہ پیش ہو تو تم اُس میں کس طرح فیصلہ کرو گے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ اگر تم اُس قضیہ کا حل کتابِ الٰہی میں نہ پاؤ تو کیا کروگے؟ تو اُنہوں نے کہا کہ رسول اللہ کی سُنّت کے مُطابق فیصلہ کروں گا۔ اس پر آپ نے پھر پوچھا کہ اگر تم کتاب و سُنّت دونوں میں اس کا حل نہ پاؤ تو پھر کیا کروگے؟ اس پر معاذ نے کہا کہ میں اپنی رائے کے مطابق اجتہاد کروں گا اور کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔

تو اس جواب کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور معاذ کی پیٹھ ٹھونکی اور فرمایا کہ الحمدللہ اُس نے رسولِ خدا کے قاصد کو صحیح سوجھ بوجھ عطا کی"۔[1]

قرآن اور حدیث سے اعراض کا انجام

موجودہ دور میں اصلاح و اجتہاد کا دعویٰ کرنے والے بھی اپنے دعوؤں کے ثبوت میں یہی حدیث پیش کرتے ہیں۔ مگر اس حدیث کے مندرجات سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اجتہاد صرف اُسی وقت معتبر ہو سکتا ہے جب کہ متعلقہ مسئلے میں قرآن اور حدیث خاموش ہوں۔ ورنہ پھر قرآن و حدیث میں موجود و مذکور (منصوص) مسائل میں ان کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہوگا۔ اور جو لوگ کتاب و سُنّت کے فیصلوں سے ہٹ جائیں وہ مجتہد تو کیا ہوں گے سرے سے مسلمان ہی نہیں ہو سکتے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے :

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا : اور تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور (ان کی نافرمانی سے) بچو۔ (مائدہ : ۹۲)

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ : کہہ دو کہ تم اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو۔ پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو (معلوم ہونا چاہئے کہ) اللہ ایسے منکرینِ حق کو پسند نہیں کرتا۔ (آل عمران : ۳۲)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ اور اُس کے رسول کی تعلیمات سے اعراض کرنے والوں کو صاف طور پر کافر کہا گیا ہے۔ چنانچہ ایک دوسری آیت میں ایسے لوگوں کو منافقین کا لقب دیا گیا ہے :

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا : اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ حکم اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافقین تم سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔ (نساء : ۶۱)

---

[1] ابوداؤد، کتاب الاقضیہ : ۴/۱۸-۱۹، مطبوعہ حمص (شام) نیز ترمذی، کتاب الاحکام : ۳/۶۱۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

اور اسی معنی میں وہ آیات بھی ہیں جو اس موضوع پر قرآن حکیم کی غالباً سب سے زیادہ سخت اور شدید ترین آیات ہیں :

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ...... فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ...... فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ : اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں..... ایسے لوگ ظالم ہیں...... ایسے لوگ فاسق ہیں۔(مائدہ: ۴۴-۴۷)

چنانچہ موجودہ دور میں ایسے لوگ براہِ راست قرآن اور حدیث سے استدلال کرنے کے بجائے بعض مسلم ممالک کے موجودہ "اصلاح شدہ" قوانین کا حوالہ دینے لگ جاتے ہیں، جو گویا کہ ان کی نظر میں "صحیح اسلام" ہے، اور "فقہ اسلامی" کو جو اسلامی شریعت کے صحیح اصولوں کے تحت ائمہ اور مجتہدینِ اُمت کا مدوّن شدہ ذخیرہ ہے، قرآن اور حدیث کے "مزاج و رُوح" سے ہٹا ہوا اور غیر مطابق بتاتے ہیں۔

ائمہ و مجتہدین کی اتباع

اس موقع پر ضمناً اس حقیقت پر بھی تھوڑی سی روشنی ڈال دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ از رُوئے قرآن ائمہ اور مجتہدین (جن کا قیاس و اجتہاد صحیح بنیادوں پر قائم ہو اور جن کی خدا ترسی میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو) کی پیروی اور ان کا اتباع کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ہر شخص قرآن اور حدیث کے مسائل پر حاوی نہیں ہوسکتا اور براہِ راست ان سے اخذ و استفادہ نہیں کرسکتا۔ ورنہ بصورتِ دیگر لوگ بڑی مشقت میں پڑ جاتے۔ چنانچہ حسبِ ذیل آیت میں اللہ اور رسول کے بعد جن "صاحبِ معاملہ لوگوں" کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے مراد صاحبِ بصیرت حاکم اور علماء دونوں ہوسکتے ہیں :

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا : اے ایمان والو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو، اور اُن کی بھی جو صاحبِ معاملہ ہوں۔ پھر اگر تم کسی مسئلے میں باہم اختلاف کرنے لگو تو اس میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو، اگر تم کو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان ہو۔ یہی بات اچھی ہے اور انجام کے لحاظ سے بہتر۔ (نساء: ۵۹)

علماء کی اطاعت مشروط ہے

اس آیتِ کریمہ میں صاف طور پر جتا دیا گیا کہ اصل اطاعت صرف اللہ اور اُس کے رسول ہی کی ہے۔ اور حکامِ وقت نیز اہلِ علم کی اطاعت مُطلق نہیں بلکہ مشروط ہے۔ یعنی جب تک یہ لوگ خُدا اور رسول کے حُکموں کی صراحتاً اتباع کر رہے ہوں ان کی بات مانی جائے گی۔ اور اگر خُدا و رسول کے احکام سے ہٹے ہُوئے ہوں تو پھر ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔ نیز اس میں یہ بھی جتا دیا گیا کہ اختلافِ آراء کی صورت میں آخری فیصلہ کتاب و سُنّت کے مطابق ہوگا اور اس باب میں فلاں اور فلاں کا قول و عمل قابلِ اعتبار نہ ہوگا' خواہ وہ کسی "مسلم حکومت" کا فیصلہ ہو یا کسی فقیہہ کا اجتہاد۔ غرض اس حکمِ خداوندی کے مطابق اہلِ حق علماء کی اطاعت بھی مشروط طور پر واجب ہے۔ اور جب دلائل کی روشنی میں علمائے حق کا طریقہ واضح ہو جائے تو پھر اس سے اعراض کرنا بھی ایک دوسری آیت کے مطابق ایمان سے محرومی کا باعث ہوگا، جہاں پر علمائے حق کے اس طریقے کو "سبیل المومنین" قرار دے کر اس سے ہٹنے والوں کی سخت مذمت کی گئی ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا : اور راہِ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد بھی جو کوئی رسول کی مخالفت کرے گا اور اہلِ ایمان کے راستے کے خلاف چلے گا تو ہم اُس کو اُدھر ہی چلائیں گے جس طرف کا اُس نے رُخ کیا ہے اور اُسے دوزخ کے حوالے کر دیں گے' جو بہت بُری جگہ ہے۔ (نساء: ۱۱۵)

ظاہر ہے کہ اہلِ ایمان کے راستے سے مراد وہی محفوظ طریقہ ہے جو صحابۂ کرام' تابعین اور تبع تابعین کا طریقہ و راستہ تھا۔ اور چودہ سو سال سے یہ اُمت اسی راستے پر چل رہی ہے۔

اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہُوا ہے

واضح رہے کہ اجتہاد کی ضرورت جیسا کہ خود صحابہ اور تابعین کے دور میں تھی اور جس طرح ائمہ اور مجتہدین کے دور میں تھی' اسی طرح وہ آج بھی موجود ہے۔ اور اجتہاد کی راہیں ہموار کرنے والے خود صحابۂ کرام تھے[۲]۔ اجتہاد کی ضرورت و اہمیت سے شاید ہی کوئی صاحبِ فکر عالم انکار کر سکتا ہے[۳]۔ مگر وہ نئے نئے

[۲] تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ ابنِ قیم کی کتاب اعلام الموقعین۔

پیش آنے والے مسائل میں ہے ۔ اور اس کے حدود و شرائط سے اُصولِ فقہ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں ۔ رسول اور مجتہد کا فرق یہ ہے، رسول سے غلطی سرزد نہیں ہوسکتی، مگر مجتہد سے غلطی سرزد ہوسکتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ارشاداتِ رسول جو کتابِ الٰہی اور قانونِ الٰہی کی شرح و تفسیر کے طور پر ہیں قانونِ شریعت کا ایک مستقل سرچشمہ اور اس کا ماخذ ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ غرض کوئی بھی فقیہہ و مجتہد غلطی سے پاک نہیں ہوسکتا ۔ بلکہ خود فقہاء نے بھی اپنے بارے میں یہی بات کہی ہے کہ " جب کوئی صحیح حدیث ثابت ہوجائے تو وہی میرا مذہب ہے اور اس صورت میں تم میرے قول کو دیوار پر دے مارو" [۴]

اجماعِ اُمت قرآن کی نظر میں

نیز مذکورۂ بالا آیتِ کریمہ (نساء : ۱۱۵) کے ذریعہ ایک اور اُصول " اجماع " بھی ثابت ہوتا ہے [۵] ۔ اجماع کا مطلب ہے کسی دور کے علماء و فقہا کا کسی مسئلے پر اتفاق و اتحاد ۔ چنانچہ جب کسی دور کے علماء و فقہاء کسی مسئلے میں متفق ہوجائیں تو وہ قرآن اور حدیث ہی کی طرح قابلِ حُجّت بن جاتا ہے ۔ اور اس سے ہٹنا " سبیل المؤمنین " سے ہٹنا شمار ہوسکتا ہے ۔

اس طرح اُصولِ فقہ (ISLAMIC JURISPRUDENCE) کے تقریباً تمام بُنیادی اُصول خود قرآن و حدیث ہی سے ماخوذ ہیں ۔

حاصل یہ کہ قرآن اور حدیث کے بعد اجتہاد اور اجماعِ اُمت بھی اسلامی قانون کا سرچشمہ ہیں اور دین میں ان کی بھی حُجّت ہے ۔ قیاسی اُمور میں تو ایک فقیہہ (ماہرِ قانون) کا اجتہاد دوسرے فقیہہ سے

---

[۳] تاریخ فقہِ اسلامی کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دورِ اجتہاد اور فقہ اسلامی کی تدوین کے بعد ایک ایسا تقلیدی دور آیا جب کہ علماء میں بلند نگاہی باقی نہیں رہی جو دورِ اجتہاد کا خاصہ تھی، اور شرائطِ اجتہاد کی کمی کے باعث طرح طرح کے فتنوں کا اندیشہ پیدا ہوگیا، تو اُس وقت کے علماء نے محض تحفظِ شریعت کے جذبے کے تحت اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کا اعلان کر دیا ۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ بند نہیں ہے ۔ بلکہ اس کی ضرورت ہر دور میں پیش آتی رہے گی ۔ مگر اجتہاد کرنے کے لئے اس کی شرائط کا پورا کرنا ضروری ہے ۔ اس کے بغیر کوئی شخص مجتہد نہیں بن سکتا ۔

[۴] دیکھئے تاریخ التشریع الاسلامی ، از محمد الخضری ، ص ۳۲۶

[۵] دیکھئے المدخل الی علم اُصول الفقہ ، از ڈاکٹر معروف دوالیبی ۔

مختلف ہو سکتا ہے، اور ائمہ اربعہ کے اختلافات کی نوعیت اسی قسم کی ہے۔ مگر جب کسی مسئلہ پر تمام یا اکثر فقہاء متفق ہو جائیں تو پھر اس سے اختلاف کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ چنانچہ بیک لفظ یا ایک مجلس کی تین طلاقوں کے وقوع پر چاروں ائمہ اور بہت سے فقہاء کے علاوہ تمام محدثین متفق ہیں اور یہ مسئلہ قرآن اور حدیث سے بھی ثابت ہے۔ . . . . مگر اب موجودہ دور کے "مصلحین" یا تجدد پسند لوگ اس متفقہ مسئلے میں نئے سرے سے "اجتہاد" کر کے اس قانون کو بدل دینا چاہتے ہیں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کی کتر بیونت کی اسلامی شریعت میں اُصولاً اجازت نہیں ہے۔ بلکہ سابقہ تفصیل کے مُطابق اس قسم کی حرکت کا نام اجتہاد نہیں بلکہ تحریفِ دین ہے۔ اور یہی حال تعددِ ازدواج (POLYGAMY) اور دیگر مسائل کا بھی ہے۔

غرض مجموعی اعتبار سے یہ بات خوب یاد رہنی چاہئے کہ قرآن اور حدیث کے واضح نصوص یعنی ان کے واضح احکام و مسائل اپنی جگہ پر بالکل مکمل اور ہر دور کے لئے قابلِ عمل ہیں جن میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

فقہ اسلامی کی حیثیت

اب رہا معاملہ فقہ اسلامی یا فقہا کی انفرادی رایوں کا، تو اس میں دو قسم کے احکام و مسائل موجود ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو قرآن اور حدیث کے منصوص احکام کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے۔ تو اس باب میں اگرچہ اختلافِ رائے کی گنجائش موجود ہے۔ (جیسا کہ خود فقہائے اربعہ کا نقطۂ نظر مختلف ہے) مگر ان احکام میں بجائے خود کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ شریعت کی اصل و اساس ہیں۔ لہٰذا ان میں ترمیم و اضافے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ دلائل کی قوت کی بنا پر صرف اتنا کیا جا سکتا ہے کہ کسی ایک فقیہہ کی رائے کو ترجیح حاصل ہو جائے۔

اور دوسری قسم کے احکام و مسائل وہ ہیں جو قیاسی و اجتہادی ہیں۔ تو ان مسائل میں دلائل کی بنیاد پر ترمیم و اضافے کی گنجائش ہو سکتی ہے، اور خود ان کی روشنی میں بعض نئے مسائل کا حل بھی نکالا جا سکتا ہے۔ مگر یہ کام صرف علماء کے کرنے کا ہے۔ اور موجودہ دور میں اس قسم کے اجتہاد کو کوئی فردِ واحد

انجام دے نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کی شرائط کو پورا کرنا کسی فردِ واحد کے بس کی بات نہیں ہے۔ لہٰذا اس کام کو اجتماعی طور پر انجام پانا چاہئے۔ اور اس کے لئے جیّد اور صاحبِ نظر علماء کا ایک بورڈ ہونا چاہئے۔

حاصل یہ کہ کسی فقیہہ کا قیاس و اجتہاد حرفِ آخر نہیں ہو سکتا۔ مگر فقہائے کرام پر کسی قسم کے تعصّب یا نفسانیت کا الزام لگانا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ انہوں نے فقہ اسلامی کی تدوین میں جو مشقتیں برداشت کیں اور جس دِقتِ نظر اور نکتہ رسی کا ثبوت دیا ہے اُس سے زیادہ کا تصور حدِ بشریت سے باہر ہے اور اس سلسلے میں اُنہوں نے جو اُصول تحقیق و تدوین وضع کئے وہ ہمارے لئے دلیل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور انہی کی قائم کردہ بنیادوں پر آج ہم ایک نئی عمارت کھڑی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں ان کا مشکور ہونا چاہئے۔

نئے دعویداروں کی بنیادی غلطی

غرض موجودہ دور میں "اجتہاد" اور "اصلاح و تبدیلی" کا بے جا دعویٰ کرنے والوں کی بنیادی غلطی یہ ہے — جیسا کہ اُن کے مطالبات کا منطقی نتیجہ ہے — کہ اُن کی نظر میں قرآن اور حدیث بھی حجّت نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ نصوصِ شریعت یعنی قرآن اور حدیث کے واضح احکام میں تبدیلی کا مطالبہ کرنا منطقی طور پر نصوصِ شریعت کو بدلنے یا اُنہیں عقلِ انسانی یا حالات و زمانے کے تابع قرار دینے ہی کا مطالبہ ہے۔ اور اس قسم کے لوگوں کے بارے میں قرآنی فتویٰ اُوپر مذکور ہو چکا ہے کہ وہ کس زُمرے میں داخل ہوں گے!

جہاں تک اس قسم کی ذہنیت کے تحلیل و تجزیہ کا تعلق ہے تو یہ دراصل مستشرقانہ دماغ کی پیداوار ہے، جن کی نظر میں قرآن کلامِ خُدا نہیں بلکہ کلامِ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ہے۔ اس اعتبار سے جب وہ ایک انسان کا کلام ہے تو اسلامی شریعت بھی لامحالہ طور پر ایک انسان کی بنائی ہوئی شریعت ہے۔ لہٰذا جس طرح وضعی یا انسانی قانون سازی (LEGISLATION) میں حالات و زمانے کے تقاضوں کے تحت وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، اسی طرح شرعی قوانین میں بھی عصری ضروریات اور تقاضوں کے تحت تبدیلیاں ہونی چاہئیں۔ مگر جب مسلمان کہتے ہیں کہ اسلامی شریعت خُدا کی بنائی ہوئی شریعت ہے جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تو وہ مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ مُسلمان دقیانوسی

ہیں جو قرونِ وسطیٰ کے ایک "فرسودہ" قانون کو دانتوں سے پکڑے ہوئے ہیں. جب دنیا کے تمام قوانین بدل گئے ہیں تو اسلامی قانون کو بھی بدلنا چاہئے. یہ نہیں ہو سکتا کہ ساری دنیا تو اکیسویں صدی میں جائے اور مسلمان ساتویں صدی کے قانون میں جکڑے ہوئے دم توڑتے رہیں. چنانچہ مسلمانوں کو بطورِ طعنہ رجعت پسند اور بنیاد پرست وغیرہ القاب سے یاد کیا جاتا ہے. گویا کہ وہ ترقی نہیں چاہتے اور ترقی پسندی کے بالکل مخالف ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مگر جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے یہ سارے الزامات بے بنیاد ہیں، جو محض پروپگنڈے اور پریس کی قوت کے زور پر چلائے جاتے ہیں اور صورتِ واقعہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے. اصل میں یہ سارے فتنے مستشرقین اور اہلِ مغرب کے پیدا کئے ہوئے ہیں، جن کو اسلام اور اسلامی قانون سے انتہائی بغض و عداوت ہے اور اس کے پیچھے ہلال و صلیب کی معرکہ آرائیوں کا بہت بڑا دخل ہے. مگر "صلیبی جہاد" کی ناکامیوں کے بعد اب مسیحی دنیا کے ذہن دماغ اسلام سے اپنی عداوت کا "علمی" اعتبار سے مقابلہ کر رہے ہیں اور اس میدان میں اُس کو "شکست" دینے کے لئے پوری طرح کمر کس چکے ہیں. مگر وہ حقیقت واقعہ کے اعتبار سے خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلامی قانون ایک برتر اور اعلیٰ درجے کا قانون ہے۔ اور اس کی معقولیت کی وجہ سے دُنیا اب آہستہ آہستہ اسلامی قانون کی طرف بڑھ رہی ہے (جیسا کہ طلاق اور دیگر قوانین کی بتدریج مقبولیت اور ان کی عالمگیری سے ظاہر ہوتا ہے). لہٰذا وہ اس کی مقبولیت سے خائف ہیں اور محض اس کی راہ میں روڑے اٹکانے کی خاطر فسوں کاری سے کام لیتے ہوئے اس کے بارے میں طرح طرح کے شوشے چھوڑتے جا رہے ہیں۔ اور اُن کے پروردہ یا اُن کی فکر سے متاثر اُن کے مشرقی شاگرد بھی اسلامی شریعت کے بارے میں ہو بہو وہی اعتراضات دُہراتے جا رہے ہیں جو اُن کے مغربی اُستادوں نے کئے ہیں۔

ترقی پسندوں اور فرقہ پرستوں کا گٹھ جوڑ

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ ہندوستان میں اسلامی قانون کی تبدیلی یا اصلاح کا مطالبہ کرنے والوں میں دو قسم کے لوگ شامل ہیں: ایک تو وہ غیر مُسلم فرقہ پرست اور اُن کی تنظیمیں

ہیں جن کو اسلامی قانون سے بغض و حسد اور انتہا درجے کا بیر ہے اور وہ اپنی نام نہاد قومی ایکتا کی راہ میں اسلامی قانون کو ایک سنگِ گراں تصور کرتے ہیں۔ اور دوسرے وہ "مُسلم نما دانشور" جو ترقی پسندی کا لبادہ اوڑھ کر اور اصلاح و اجتہاد کا ڈھونگ رچا کر اس میدان میں آئے ہیں۔ چنانچہ اسلامی قانون کی اصلاح یا اس میں ترمیم و تبدیلی کا مطالبہ ان دونوں گروہوں میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ ان دونوں میں اگر کچھ فرق ہے تو صرف اتنا کہ پہلا گروہ آمرانہ طور پر یہ بات کہتا ہے، جب کہ دوسرا گروہ اس کے لئے کچھ " اسلامی اُصولوں " کا سہارا بھی لیتا ہے۔ مگر دونوں کی تان یکساں طور پر " اصلاح و تبدیلی " ہی پر ٹوٹتی ہے۔ اور یہ دونوں طبقات چاہتے ہیں کہ اسلامی قانون "ہر قیمت پر" بدل دیا جائے، خواہ وہ لنگڑا یا لولا ہی کیوں نہ ہو جائے۔

اس حیثیت سے ان دونوں کے درمیان بہت بڑا گٹھ جوڑ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ پچھلے دو سالوں (۱۹۸۵ء و ۱۹۸۶ء) کے درمیان شاہ بانو کیس کے سلسلے میں ہندوستانی پریس نے مسلمانوں کے خلاف جو طوفان برپا کیا تھا، اُس میں ان دونوں طبقات کے مُطالبات میں شدت و یکسانیت نے اس حقیقت کو پوری طرح بے نقاب کر دیا ہے۔

مُطالبے کی عدمِ معقولیت

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اسلامی شریعت میں تبدیلی کا مطالبہ تمام تر سیاسی ذہن کی پیداوار ہے، جس کا حقیقت و واقعیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بالفاظِ دیگر اسلامی قانون میں ترمیم و تبدیلی کا مطالبہ علمی و عقلی یا معقول دلائل کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس ملک میں ایک مصنوعی قسم کی " تہذیبی وحدت " پیدا کرنے کی تحریک کا نتیجہ ہے۔ اور اس سلسلے میں چند مِلّت فروش اس ملک کے سیاست دانوں سے ملے ہوئے نظر آتے ہیں۔

بہر حال یہ ایک غیر معقول اور مغالطہ انگیز مطالبہ ہے، جس کے پیچھے کوئی علمی یا منطقی ضرورت دکھائی نہیں دیتی۔ بلکہ اسلامی قانون ہی وہ واحد قانون ہے جو خُدائی قانون ہونے کے باعث اپنی جگہ پر کامل، برتر اور بالکل سائنٹفک نظر آتا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ دُنیا بھی اب آہستہ آہستہ

اسلامی قوانین کو اپنانے لگی ہے، جیساکہ خصوصیت کے ساتھ ہمیں آج اسلام کے قانونِ طلاق کے بارے میں نظر آرہا ہے۔ وہی قانون جس کو مسیحی دُنیا اب تک بہت بُرا سمجھتی تھی اور جس سے ہندو مذہب شدید نفرت کرتے ہوئے کہتا تھا کہ شادی کے بعد مرد اور عورت کا رشتہ "جنم جنم کے بندھن" کے طور پر اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ مگر اب اس قسم کے تمام دعوے اور تمام بندھن مکڑی کے تاروں کی طرح ٹوٹتے نظر آرہے ہیں۔ کیونکہ نہ صرف مسیحی دنیا نے بلکہ خود ہندو مذہب و معاشرے نے بھی قانونِ طلاق کو اپناکر اس کی معقولیت پر مُہرِ تصدیق ثبت کردی ہے۔ اس طرح اب ہمیشگی و دوام کا حامل صرف خُدائی قانون ہی نظر آرہا ہے۔ یہ اسلام کے دینِ فطرت ہونے کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے کہ دُنیا پھر پھر کر اسلامی سرچشمۂ حیات سے اخذ و استفادے پر مجبور ہے۔ یہی حال اسلامی شریعت کے دیگر تمام قوانین کا بھی ہے۔

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللهِ حَدِيْثاً : اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے؟ (نساء : ۸۷)

(۲)

اسلامی شریعت ناقابلِ تغیّر کیوں ہے؟

اسلامی شریعت کی برتری اور معقولیت کے دلائل

قانون صرف خُدا ہی کا کیوں؟

اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے جہان کا خالق و پروردگار ہے۔ اُسی نے دنیا کی تمام چیزوں اور تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اور یہ دُنیا عارضی و فانی ہے۔ جس کے بعد ایک فیصلے کا دن آئے گا اور تمام مرے ہُوئے انسانوں کو پھر دوبارہ زندہ کر کے ان سے حساب کتاب لیا جائے گا کہ کن کن لوگوں نے دُنیا میں ہماری باتوں کو مانا اور ہمارے قانون پر عمل کیا؟

اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے اسی طرح اُس نے انسان کے لئے ایک قانون اور ضابطہ بھی تیار کر کے اپنے رسولوں کے ذریعہ بھیجا ہے۔ اور اسی خُدائی قانون اور ضابطے کا نام "دین و شریعت" ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کر کے آزاد نہیں چھوڑ دیا ہے، بلکہ انہیں ایک ضابطے اور قانون کا پابند بنانا چاہا ہے۔ اور یہ بات عقلی اعتبار سے بھی قابلِ فہم ہے کہ جو انسان کا خالق و پروردگار ہے وہی اس کے لئے ایک ضابطۂ حیات بھی مہیا کر سکتا ہے۔ اور خود انسان کا رویّہ بھی یہی ہونا چاہئے کہ جس ہستی نے اُسے عدم سے وجود بخشا اور دُنیا میں

اُس کے لئے تمام ضروریاتِ زندگی مہیا کردیں، اُس کے عوض وہ احسان شناسی اور شکر گزاری کے طور پر اپنے خالق و پروردگار کے حکموں پر چلے اور کسی حال میں اُس کی نافرمانی نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک فطری اور معقول مطالبہ ہے، جس کی حقیقت قرآن مجید میں اس طرح بیان کی گئی ہے :

اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ : ہاں دیکھو پیدا کرنا اور حکم چلانا اُسی کا کام ہے۔ اللہ بڑی خوبیوں والا ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔ (اعراف : ۵۴)

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ : حکم کرنا صرف اللہ ہی کو زیب دیتا ہے۔ اُسی نے حکم دیا ہے کہ تم صرف اسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا طریقہ ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ (یوسف : ۴۰)

اس آیت میں تین بنیادی حقیقتیں بیان کی گئی ہیں جو یہ ہیں :

۱۔ حکم صرف خُدا کا ہوگا۔ یعنی انسانوں پر صرف اُسی کا قانون لاگو ہوگا۔ لہٰذا اصل قانون ساز صرف اللہ ہے۔

۲۔ عبادت و بندگی صرف اللہ کی ہونی چاہئے، کیونکہ وہی خالق و مالک اور مُربّی ہے۔ عبادت و بندگی کی اصل یہ ہے کہ کسی کی بڑائی کو تسلیم کر کے اُس کے سامنے سرِ نیاز جُھکا دیا جائے۔ یہ گویا کہ اللہ تعالیٰ کو قانون ساز تسلیم کر لینے کا لازمی نتیجہ ہے۔

۳۔ یہی صحیح دین یا صحیح طریقہ ہے۔ یعنی دین بس انہی دو باتوں کو مان لینے کا نام ہے۔ اور اسی کا دوسرا نام شریعت ہے۔

احکامِ شریعت کا احاطہ

اسلام کی اصطلاح میں شریعت اُس طریقے کا نام ہے جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کر دیا ہو۔ اور اس اعتبار سے دین و شریعت تقریباً ہم معنی ہیں۔ مثال کے طور پر احکامِ دین کو احکامِ شریعت بھی کہا جاتا ہے۔ اور یہ احکام تمام معاملاتِ زندگی پر محیط ہیں، جن میں عقائد و عبادات اور مُعاشرتی و اجتماعی اُمور سبھی آجاتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں خالقِ کائنات نے انسانوں کے لئے جو مفصّل قوانین یا ضوابطِ حیات

تجویز کئے ہیں وہ آج ہمارے سامنے اسلامی شریعت (قرآن اور حدیث کا مجموعہ) کی شکل میں موجود و محفوظ ہیں جو انسانی زندگی کے تمام احوال و کوائف کا احاطہ کرتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے اسلام دیگر مذاہب کی طرح محض چند عقائد یا چند بے جان قسم کے رسم و رواج کا مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک زندہ اور متحرک دین ہے جو انسان کو خالق و مخلوق کے صحیح روابط سے آشنا کرتا ہے، اس کو لذتِ عبدیت سے رُوشناس کراتا ہے اور زندگی کے رُموز و اسرار سے پردہ اُٹھا کر انسان کو ابدی سعادتوں سے ہمکنار کرتا ہے۔

قوانینِ شریعت ناقابلِ تغیّر کیوں؟

اب ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ خُدائی قانون یا اسلامی شریعت ناقابلِ تغیّر کیوں ہے؟ تو اس کا ایک سیدھا سادہ جواب تو یہ ہے کہ وہ چونکہ خُدا کا بنایا ہُوا قانون ہے اس لئے وہ ناقابلِ تغیّر ہے لیکن اس پر ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر خُدا کا بنایا ہُوا قانون کیوں ناقابلِ تغیّر ہے؟ جبکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دُنیا کے تمام قوانین میں برابر ارتقا ہو رہا ہے اور سب کے سب قانونِ ارتقا کے مطابق مُسلسل ترمیم و اضافے کو قبول کرتے نظر آرہے ہیں۔ تو آخر اسلامی یا خُدائی قانون میں یہ استثناء اور یہ جمود کیوں ہے؟

تو اس کا پہلا تحقیقی جواب یہ ہے کہ اسلامی قانون دیگر قوانین اور دیگر تہذیبوں کی طرح کسی ارتقائی عمل یا انسانی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے کہ جس طرح انسانی تہذیب و تمدّن نامیاتی اجسام کی طرح پیدا ہوتے ہیں پھر جوان ہوتے ہیں اور پھر بوڑھے ہو کر ختم ہو جاتے ہیں، جیسا کہ مختلف تہذیبوں کی تاریخ ظاہر کرتی ہے۔ انسانی یا وضعی قوانین چونکہ انسانی کوششوں سے وجود میں آتے ہیں اس لئے وہ دورِ قدیم سے لے کر اب تک مسلسل تغیّر و ارتقا کے مختلف مراحل سے گزر کر موجودہ حالت تک پہنچ سکے ہیں۔ اور ان میں آج بھی تغیّر اور ارتقا کا عمل برابر جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ مگر اس کے برعکس شریعت کے قوانین یکبارگی اور کامل شکل میں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ اور اُن میں روزِ اوّل سے لے کر آج تک کسی قسم کی تبدیلی یا ارتقا نہیں ہُوا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ آج بھی اسی طرح اپنی جگہ پر نہ صرف کامل و برتر نظر آرہے ہیں بلکہ وہ ہر دور کے لئے کارآمد اور قابلِ عمل بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ اسلامی شریعت کا وہ معجزہ ہے جس پر علمی دُنیا حیرت زدہ ہے۔

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ جدید وضعی قوانین کے بعض وہ اُصول وکلیات جن پر عصرِ جدید کو بڑا ناز ہے، مثلاً نظریۂ مساوات، نظریۂ عدل، انسانیت نوازی اور اظہارِ رائے کی آزادی وغیرہ، تو یہ سب کے سب اُصول و مبادی اسلامی شریعت ہی سے ماخوذ ہیں، جیسا کہ اگلے مباحث سے بخوبی ثابت ہو جائے گا۔ بلکہ اسلامی شریعت میں بعض ایسے اچھوتے اُصول بھی موجود ہیں جن تک عصرِ جدید کی اب تک رسائی نہیں ہو سکی ہے۔ اس اعتبار سے اسلامی شریعت کا مزاج اور اُس کا نیچر دیگر قوانین اور تہذیبوں سے یکسر مختلف ہے۔ وہ پہلے ہی دن ایک کامل تر، برتر اور دوامی شکل میں نازل ہوئی ہے، جس پر کہنگی کی پرچھائیاں کبھی نہیں پڑ سکتیں۔ اور وہ چودہ سو سال سے اب تک نہ جانے کتنے فلسفوں، نظریوں اور تحریکوں کا نہایت درجہ پامردی کے ساتھ مقابلہ کر چکی ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ اب تک بالکل تازہ دم اور ہشاش بشاش نظر آ رہی ہے۔ یہ اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ وہ من جانب اللہ ہے۔ ورنہ اگر وہ کسی انسان کا بنایا ہُوا قانون ہوتا تو کبھی کا فرسودہ اور آوٹ آف ڈیٹ ہو چکا ہوتا۔ لہٰذا اسلامی شریعت اپنے اس مخصوص مزاج اور مخصوص ماہیت کی بنا پر کسی بھی قسم کے ردّوبدل کو قبول نہیں کر سکتی۔

اسلامی شریعت کے ناقابلِ تغیّر ہونے کا دوسرا تحقیقی جواب یہ ہے کہ تخلیق (CREATION) اور تشریع (LEGISLATION) دونوں خدائی عمل ہیں۔ لہٰذا جس طرح دنیائے فطرت (NATURE) میں جاری شدہ قوانینِ فطرت (LAWS OF NATURE) ناقابلِ تغیّر ہیں، اسی طرح قوانینِ شریعت بھی ناقابلِ تبدیل ہیں۔ کیونکہ جس ہستی نے عالمِ طبیعی کا ضابطہ جاری کیا ہے اُسی نے قوانینِ شریعت بھی وضع کئے ہیں۔

ایک اشکال اور اُس کا جواب

اس موقع پر ایک اشکال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ سابق انبیائے کرام کے شرائع چونکہ مختلف رہے ہیں لہٰذا مذکورۂ بالا توجیہہ کے اعتبار سے "شریعتِ الٰہیہ" میں وحدت کہاں رہی تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدائی شریعت تو یومِ ازل ہی میں اللہ کے علمِ ازلی کے مطابق کامل تھی۔ پھر وہ اُسی کامل شکل میں

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اور پھر وہ اُسی کامل شکل میں آج ہمارے سامنے موجود و محفوظ ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے شریعتِ الٰہی میں ازل سے ابد تک نہ کسی قسم کا تغیر ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اب رہا معاملہ سابق انبیاء علیہم السلام کا تو ان سب کا دین اساسی اُمور میں مشترک تھا۔ مگر انہیں چند ایسے احکام بھی دیئے گئے تھے جو اگرچہ باہم کچھ مختلف تھے۔ مگر اُصولی حیثیت سے یہ اختلاف کچھ زیادہ نہیں تھا۔

اور دوسری بات یہ کہ یہ کوئی ضروری نہیں تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر زماں تک ہر دور والوں کو ایک "مکمل شریعت" کا پابند بنا دیا جاتا۔ بلکہ حسبِ ضرورت اس مکمل شریعت ہی کے بعض حصے کسی ایک دور میں دیئے گئے تو کچھ حصے دوسرے دور میں بھیجے گئے، اس طور پر کہ نشانہ وہی مکمل شریعت ہی کا تھا جو دورِ محمدی میں پورا ہوا۔ اسی حقیقت کا اظہار حسبِ ذیل آیتِ کریمہ میں کیا گیا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً : آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور ایک دین کے پسند کر لیا ہے۔ (مائدہ : ۳)

ظاہر ہے کہ شریعتِ الٰہیہ کی یہ "تدریج" محض نزولی اعتبار سے ہے نہ کہ ارتقائی عمل کا نتیجہ! کیونکہ انبیائے کرام کو جو بھی ملا وہ یکبارگی ملا، جس میں کسی کے غور و فکر یا ارتقا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ واقعہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی اور اُس کے استحکام کا ایک حیرت انگیز مظاہرہ ہے۔

غرض اس اعتبار سے خدائی قانون اور انسانی قانون کا فرق بالکل نمایاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی قانون میں تبدیلی کی اب تک کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس سے خدائی علم و حکمت کا استحکام ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے علمِ ازلی کے مطابق انسان کو ایک ناقابلِ تبدیل ضابطۂ حیات ضرور عطا کر سکتا ہے۔ اور اس میدان میں چونکہ تمام انسانی قوانین نوعِ انسانی کو ایک مکمل، بے عیب اور ناقابلِ تغیر ضابطۂ حیات فراہم کرنے میں عاجز و ناکام ہو چکے ہیں، لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ اس کائنات میں ایک ہمہ دان (سب کچھ جاننے والا) اور لازوال ہستی کا وجود پایا جاتا ہے۔

...ئی قانون کا معجزہ

اس سلسلے کا تیسرا تحقیقی جواب یہ ہے کہ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو ہمیں اسلام کے اس دعوے کا ثبوت بھی مل جاتا ہے۔ چنانچہ اہلِ اسلام کے تیرہ سو سالہ دورِ حکومت میں انہیں اپنے معاشرتی واجتماعی معاملات میں کسی دوسرے دین ومذہب یا دوسری قوموں کے قوانین مستعار لینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ بلکہ فقہائے کرام نے اسلامی شریعت کی روشنی میں اور اُس کے بنیادی اُصولوں کو پیش نظر رکھ کر وہ تمام تفصیلی احکام وقوانین وضع کرلئے جن کی اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرے کو ضرورت پیش آئی۔ اس اعتبار سے اسلام اپنے تفصیلی احکام ومسائل کی تدوین کے لئے کسی دوسرے قانون کا رہینِ منّت نہیں ہے۔ لہٰذا اسلامی قوانین کو دیگر ادیان ومذاہب اور انسانی قوانین پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ جس طرح عیسائی مذہب کی عدم کفایت کی بنا پر عیسائی ریاستوں کو اپنے معاشرتی، اجتماعی اور تمدنی معاملات میں رومی قانون (ROMAN LAW) وغیرہ سے استفادہ کرنا پڑا تھا۔

ان تمام اعتبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت اپنی جگہ کامل اور اعلاتر ہے، جو لازوال بنیادوں پر قائم ہے۔ اور یہ تمام خصوصیات ظاہر کرتی ہیں کہ ان قوانین کو پیش کرنے والا بجائے خود اپنی جگہ پر کامل، اعلاترا اور لازوال ہے، جس کے علم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہورہی ہے۔ بلکہ اُس کے علم میں "ٹھہراؤ" بھی ہے اور ماضی، حال اور مستقبل کے احوال وکوائف کا احاطہ بھی۔ اس برتر قانون کی موجودگی کا یہ ایک منطقی نتیجہ ہے، جو عقلِ انسانی کو مبہوت اور حیرت زدہ کردینے کے لئے کافی ہے۔

خلاصہ یہ کہ انسانی قانون اور خُدائی قانون میں بنیادی اور جوہری فرق ہے۔ یہ دونوں یکساں ہرگز نہیں ہوسکتے۔ اور ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی قانون خلّاقِ ازل کا بنایا ہُوا قانون ہے جو معقول اور فطری اُصولوں پر مبنی ہے۔ اور اس میں اعتدال اور توازن رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے بنائے جدید قوانین ہمیشہ اسلامی شریعت سے شعوری یا غیر شعوری طور پر اخذ واستفادہ کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں مصر کے مشہور ماہرِ قانون اور جج علامہ عبدالقادر عودہ شہید نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب " اسلام کا قانونِ فوجداری[۱] " کے شروع میں جو عمدہ

اور معرکۃ الآراء بحث کی ہے اُس کا خلاصہ اس موقع پر پیش کیا جاتا ہے، جس سے مذکورۂ بالا تمام حقائق کا بڑے دلنشین طور پر اثبات ہوتا ہے اور اسلامی شریعت کی برتری اور اُس کی حیرت انگیز خصوصیات بالکل بے نقاب ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔

اعتراض کرنے والوں کی دو قسمیں

علامہ عبدالقادر عودہ تحریر کرتے ہیں کہ عصرِ حاضر میں شریعتِ اسلامیہ پر عدمِ صلاحیت کا الزام لگانے والوں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ لوگ جنہوں نے نہ تو شریعت کا مطالعہ کیا ہے اور نہ قانون کا۔ اور دوسرا فریق وہ ہے جس نے صرف قانون کی تحصیل کی ہے، شریعت کا علم حاصل نہیں کیا۔ لہٰذا یہ دونوں فریق اسلامی شریعت پر حکم لگانے کے اہل نہیں ہیں، کیونکہ وہ قانونِ شریعت سے بالکل ناواقف ہیں۔

کیا شریعت فرسودہ ہو چکی ہے؟

اور ان لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ چونکہ جدید وضعی قوانین کی بنیاد اُن فلسفیانہ، اجتماعی اور انسانی نظریات و اعتبارات کی بنیاد پر ہے جو اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے آغاز میں قائم کئے گئے تھے، اور چونکہ اس سے ماقبل کے قوانین ان فلسفیانہ بنیادوں سے خالی ہیں، لہٰذا وہ سب آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکے ہیں۔ اور یہ لوگ اسلامی شریعت کو بھی اسی نظریہ پر قیاس کرتے ہوئے اس پر عدمِ صلاحیت کا الزام لگاتے ہیں۔ اور یہ غلطی اس لئے ہے کہ انہوں نے انسان کے وضع کردہ قوانین اور اسلامی شریعت دونوں کو برابر برابر سمجھ لیا ہے، جب کہ ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اور دوسری بات یہ کہ انسانی قانون کی ابتدا مختلف قبیلوں اور معاشروں کی ضروریات کے تحت ہوئی ہے، جس میں کوئی یکسانیت اور باضابطگی موجود نہیں تھی، یہاں تک کہ اٹھارویں صدی کے اواخر میں ارتقائی طور پر اُس کو علمی، فلسفیانہ اور اجتماعی (سوشل) بنیادیں حاصل ہوئیں، جن کا سابقہ ادوار میں کوئی تصور نہیں پایا جاتا تھا۔ ان جدید نظریات کی بنیاد عدل، مساوات، رحمدلی اور انسانیت

لہ التشریع الجنائی الاسلامی، مطبوعہ بیروت، ۱۴۰۴ھ، پانچواں ایڈیشن

ہے ۔ ان نظریات کی اشاعت کے باعث دُنیا کے بہت سے ممالک کے قوانین میں وحدتِ عمل میں آئی ہے ، اگرچہ ہر ملک کا قانون تفصیلی دفعات میں دوسرے سے مختلف ہے ۔ مگر اس کے برعکس اسلامی شریعت کا معاملہ بالکل الگ ہے ۔ چنانچہ وہ تدریجی ارتقا کے طور پر نہیں بلکہ یکبارگی مکمل شکل میں نمودار ہُوئی ہے[۲] اور اسی طرح وہ مختلف جماعتوں اور مختلف اقوام کے لئے الگ الگ طور پر نہیں بلکہ سب کے لئے یکساں طور پر اس طرح نازل ہُوئی ہے کہ اس میں کوئی نقص یا عیب موجود نہیں ہے ۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے :

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً : آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت ایک دین کے پسند کر لیا ہے ۔ (مائدہ : ۳)

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ : اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ۔ (یونس : ۶۴)

اور اسلامی شریعت (کی کاملیت کا ثبوت یہ ہے کہ) وہ اپنے پہلے ہی دن ان تمام جدید نظریات کے ساتھ وارد ہوئی ہے جن تک انسانی قانون کی رسائی عصرِ حاضر میں ہو سکی ہے ۔ بلکہ اس باب میں شریعت نے جدید قانون کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہی پیش کیا ہے ۔ اور اس اعتبار سے انسانی قانون کا منتہائے کمال شریعت کا نقطۂ آغاز ہے ۔

شریعت اور قانون کا بنیادی فرق

غرض اسلامی شریعت اور انسانی قانون کے درمیان کوئی مماثلت نہیں ہے ۔ بلکہ شریعت اپنے مزاج کے اعتبار سے انسانی قانون سے یکسر مختلف ہے ۔ اور یہ اختلاف اساسی طور پر تین طرح کا ہے :

۱ ۔ اول یہ کہ قانون انسان کا وضع کردہ ہے جب کہ شریعت من جانب اللہ ہے ۔ لہٰذا ان دونوں میں اپنے اپنے صانع کی صفات نمایاں نظر آتی ہیں ۔ یعنی قانون چونکہ انسان کا بنایا ہُوا ہے

---

[۲] واضح رہے کہ رسالت کے ۲۳ سالہ عرصے میں متعدد احکام کا نزول تدریجی طور پر ہُوا ہے ، مگر مجموعی اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی شریعت یکبارگی مکمل شکل میں نازل ہُوئی ہے ۔ شہاب

اس لئے اس میں نقص، کمزوری اور تدبیر کی کمی نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ اور اسی بنا پر اس میں تبدیلی اور ارتقا ہوتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس شریعت کو بنانے اور ڈھالنے والا چونکہ اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا اس میں خالقِ عالم کی قدرت و عظمت اور اس کا کمال نیز آئندہ پیش آنے والے اُمور کا احاطہ بھی نظر آتا ہے۔ کیونکہ اس کا علم ہر چیز اور ہر زمانے کو محیط ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ : اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ (یونس: ۶۴)

۲۔ دوم یہ کہ قانون کا مطلب ہے چند عارضی قواعد، جن کو سوسائٹی (انسانی معاشرہ) اپنا احوال کو درست کرنے کے لئے وضع کرتی ہے۔ لہٰذا ایسے قواعد زمانۂ حال کے لئے تو کام دے سکتے ہیں، مگر زمانۂ مستقبل کے لئے ناکارہ ہو سکتے ہیں، جب کہ سوسائٹی کے حالات بدل جائیں، مگر اس کے برعکس شریعت کے قواعد کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بنایا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے تنظیمِ جماعت کا باعث بن سکیں اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ چودہ سو سال گزر چکنے کے باوجود اسلامی شریعت میں اب تک کسی قسم کا ردّ و بدل نہیں ہو سکا ہے، جب کہ دوسری طرف علوم و افکار کی دُنیا ہی بدل گئی ہے۔ (اور اس قسم کے دائمی قواعد سے قرآن و حدیث بھرے ہُوئے ہیں، جن کا تذکرہ اس موقع پر طوالت کا باعث ہوگا۔ ان مثالوں کے لئے اصل کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔)

۳۔ سوم یہ کہ وہ جماعت یا سوسائٹی ہی ہوتی ہے جو قانون کو وضع کرتی ہے اور پھر اس میں اپنی قومی عادات اور قومی روایات کے ذریعہ اس قانون میں رنگ بھرتی ہے۔ اس طرح قانون کی اصل یہ ہے کہ وہ جماعت کے احوال کو منظم کرنے کی غرض سے بنایا جاتا ہے۔ اور اس اعتبار سے قانون جماعت کی ایجاد ہے مگر جماعت قانون کی ایجاد نہیں۔ لیکن پہلی جنگِ عظیم کے بعد صورتِ حال بدل گئی ہے، جب کہ وہ حکومتیں جو نئی تحریکات اور نئے نظاموں کی علمبردار ہیں وہ اپنے ملکوں میں بسنے والے مختلف قوموں اور قبیلوں کو متعین رخوں پر لے جانے کے لئے قانون کا استعمال اس طرح کر رہی ہیں گویا کہ اس کے ذریعہ متعین اغراض کا نفاذ عمل میں آسکے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے اشتراکی رُوس اور مُصطفیٰ کمال کے ترکی نے

اختیار کیا ۔ پھر فاشی اٹلی اور نازی جرمنی نے بھی یہی روش اپنائی ۔ پھر اس کے بعد باقی ملکوں نے بھی اسی کی پیروی کی ۔ اس اعتبار سے آج قانون کا مقصد سوسائٹی کی تنظیم اور اُس کی ایسی رہنمائی ہے جس کو سوسائٹی کے اربابِ حل وعقد اُس کی بھلائی کے لئے مناسب سمجھیں ۔[۳]

اس کے برعکس جیسا کہ ہمیں معلوم ہے اسلامی شریعت کسی سوسائٹی یا جماعت کی ایجاد نہیں ہے اور نہ وہ کسی جماعت کے ارتقا اور اُس کے باہمی تعامل کا نتیجہ ہے ۔ بلکہ وہ ایک خدائی فعل ہے جس نے ہر چیز کو استحکام بخشا ہے ۔ اس کے علاوہ اسلامی شریعت کا مقصد وضعی قانون کی طرح محض جماعت سازی نہیں بلکہ ایک صالح و پاکیزہ جماعت پیدا کرنا اور ایک مثالی حکومت قائم کرنا ہے ۔ اسی بنا پر شرعی احکام اپنے نزول کے وقت اُس دور کے معیار سے بہت اُونچے نظر آ رہے تھے اور آج بھی اُن کے بلند معیار کا یہی حال ہے ۔ چنانچہ اسلامی شریعت میں ایسے اُصول و نظریات موجود ہیں جن سے آگاہی غیر اسلامی دنیا کو صدیوں بعد ہو سکی ہے ۔ اور بعض ایسے اُصول بھی ہیں جن تک رسائی اب تک سرے سے حاصل ہی نہیں ہو سکی ہے ۔

جدید قانون شریعت سے پیچھے

اس موقع پر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ دورِ حاضر میں وضعی قانون اپنی اصل سے ہٹ کر سوسائٹی کی رہنمائی کرنے لگا ہے ۔ اور یہ ایک جدید اُصول ہے جو اسلامی شریعت سے ماخوذ ہے ، جس کا اُصول یہ ہے کہ جماعت بنائی جائے اور اُس کی رہنمائی اور تنظیم کی جائے ۔ اس طرح وضعی قانون آج اُس نقطہ تک پہنچ سکا ہے جس تک شریعت چودہ سو سال پہلے ہی پہنچ چکی ہے ۔ اس لحاظ سے وضعی قانون کے

---

[۳] مطلب یہ کہ آج مختلف ممالک میں وہاں کے سیاسی قائدین اپنے اپنے مخصوص اغراض و مقاصد یا چند خاص خاص تحریکوں کے زیرِ اثر قانون کے ذریعہ مختلف قبیلوں اور قوموں کے درمیان سیاسی وحدت پیدا کرنے کے خواہشمند نظر آتے ہیں ۔ جس طرح کہ ہمارے ملک میں "قومی یکسانیت" کے نام پر یکساں قسم کے قوانین بنانے اور انہیں بزورِ قوت نافذ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔ مختلف اقوام کے درمیان یکساں سول کوڈ نافذ کر کے ایک مصنوعی یکسانیت پیدا کرنے کا نعرہ بھی اسی قسم کی کوششوں کا نتیجہ ہے ۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ مختلف قسم کی قومی یا اقلیتی "شناختوں" کو مٹا کر انہیں ایک وسیع تر "قومی دھارے" میں شامل کیا جا سکے ۔ اسی وجہ سے مختلف قوموں کے پرسنل لا کو مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے ، تاکہ اُن کا رشتہ اپنی قوم و ملت اور اپنے مذہب سے پوری طرح کٹ جائے ۔ شہاب

ماہرین جب یہ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے ایک نیا نظریہ دریافت کر لیا ہے تو ہم کہیں گے کہ ہرگز نہیں، بلکہ تم نے شریعت کا طریقہ اختیار کیا ہے اور اُس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہو۔

اسلامی شریعت کے امتیازی خصائص

اُوپر اسلامی شریعت اور وضعی قوانین کے درمیان جو اختلافات دکھائے گئے ہیں ان کے ملاحظہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی شریعت حسبِ ذیل تین خصوصیات کی بنا پر وضعی قوانین سے ممتاز نظر آتی ہے :

پہلی خصوصیت یہ کہ اسلامی شریعت وضعی (انسانی) قوانین کی بہ نسبت درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ اور اس کے اُصول و کلّیات سوسائٹی کی تمام ضروریات کے لئے کافی ہیں، حال اور مُستقبل دونوں زمانوں کے لحاظ سے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسلامی شریعت وضعی قوانین کی بہ نسبت اعلیٰ و ارفع ہوتی ہے۔ یعنی اُس کے اُصول و ضوابط ہمیشہ سوسائٹی اور جماعت کے معیار سے اُونچے ہوتے ہیں، خواہ انسانی سوسائٹی کا معیار کتنا ہی اُونچا کیوں نہ ہو۔

تیسری خصوصیت یہ کہ اسلامی شریعت وضعی قوانین سے ہمیشگی اور دوام کے اعتبار سے ممتاز ہوتی ہے۔ یعنی اُس کے نصوص (واضح احکام و تصریحات) بغیر کسی تغیّر یا تبدیلی کے ہمیشہ کارآمد اور قابلِ عمل رہتے ہیں، خواہ اُن پر کتنی ہی مُدّت اور کتنی ہی صدیاں کیوں نہ گزر جائیں۔ بالفاظِ دیگر وہ کبھی از کار رفتہ یا آؤٹ آف ڈیٹ نہیں ہوسکتے۔

اسلامی شریعت کی یہ وہ جوہری خصوصیات ہیں جو اس کے خُدائی عمل ہونے کا نتیجہ ہے۔

شریعت کے ممتاز ہونے کے دلائل

اسلامی شریعت اپنی کاملیت، برتری اور ابدیت کے اعتبار سے دیگر قوانین سے ممتاز ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اسلامی شریعت نے اس سلسلے میں جن اُصولوں کو اپنے پہلے ہی دن پیش کر دیا تھا اُن سے انسانی قوانین موجودہ دور ہی میں آگاہی حاصل کر سکے ہیں۔ جب کہ یہ خصوصیات اسلامی شریعت کے

ہر نظریہ اور ہر قانونی دفعہ میں موجود ہیں ۔ چنانچہ اس موقع پر اسلامی شریعت کے بعض اُصول و نظریات کا تذکرہ کیا جاتا ہے :

۱۔ نظریۂ مساوات

اسلامی شریعت نے اپنے نزول کے پہلے ہی دن یہ اعلان کر دیا تھا کہ تمام انسان مُساوی اور برابر برابر ہیں، جیسا کہ ارشادِ باری ہے :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ : اے لوگو ! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ لیکن اللہ کے نزدیک تم میں سب سے مُعزّز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ خُدا کو ماننے والا ہو ۔ (حجرات : ۱۳)

اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ " تمام لوگ برابر ہیں، جس طرح کہ ایک کنگھے کے دانت ہوتے ہیں۔ ایک عربی کو ایک عجمی پر سوائے تقویٰ کے اور کوئی فضیلت نہیں ہے "۔

اسلامی شریعت کا یہ وہ نظریۂ مساوات ہے جو چودہ سو سال پہلے پیش کیا گیا تھا ۔ مگر وضعی قانون اس اُصول سے صرف ایک صدی پہلے ہی واقف ہو سکا ہے ۔ لیکن ظاہر ہے کہ وضعی قانون نے نظریۂ مساوات کو اپنا کر کوئی نیا قانون نہیں پیش کیا بلکہ قانونِ شریعت ہی کی اتّباع کی ہے ۔

۲ ۔ مرد اور عورت کی برابری کا نظریہ

یہ نظریہ اُوپر مذکور مساواتِ عامّہ ہی کی ایک شاخ ہے ۔ مگر اس کی خصوصی اہمیت کی بنا پر اس کو الگ سے پیش کیا جا رہا ہے ۔ اور اس لئے بھی کہ یہ نظریہ شریعت کی انصاف پسندی اور اس کی بلند نگاہی کی واضح دلیل ہونے کے علاوہ حقوق و فرائض کی تقسیم میں اس کی حکمتِ عملی کو بھی ظاہر کرتا ہے ۔ چنانچہ اسلامی شریعت میں یہ عمومی قاعدہ ہے کہ حقوق و واجبات کے باب میں عورت مرد کے مُساوی ہے ۔ یعنی عورت کو بھی اُسی قسم کے حقوق حاصل ہیں جس طرح کہ مرد کو حاصل ہیں ۔ اور اُس کے ذمہ بھی ویسے ہی فرائض ہیں جس قسم کے

مرد پر عائد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے :

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ : عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے سے وہی حقوق ہیں جیسے خود اُن پر عائد ہوتے ہیں۔ (بقرہ : ۲۲۸)

لیکن مرد اور عورت کے درمیان مُساوات کے اس عام قاعدے کے باوجود شریعت نے مرد کو عورت پر ایک درجہ فضیلت دی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے :

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ : اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے۔ (بقرہ : ۲۲۸)

اور خود قرآن نے اس خصوصیت کی وجہ بھی بتا دی ہے، جس کی بنا پر مردوں کو یہ فضیلت دی گئی ہے :

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا اَنْفَقُوا مِنْ اَمْوَالِهِمْ : مرد عورتوں پر قائد و نگران ہیں[۴] کیونکہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ مردوں نے عورتوں پر (شادی بیاہ، مہر اور نفقہ کے ذریعہ) اپنا مال خرچ کیا ہے۔[۵] (نساء : ۳۴)

---

[۴] لفظ قَوَّامُونَ، قَوَّام کی جمع ہے، جو قائم سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ کہا جاتا ہے۔ هُوَ قَوَّامٌ عَلَى أَهْلِهِ، تو اس کا مطلب ہوتا ہے وہ اپنے اہل وعیال کی ضروریات اور ان کے اچھے بُرے کی ہمیشہ دیکھ بھال کرنے والا ہے۔ (معجم الفاظ القرآن الکریم : ۲/۴۴۹، مطبوعہ مصر) شہاب

[۵] بعض تجدد پسندوں کا ادعاء ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں مردوں کو جو فضیلت دی گئی ہے وہ محض انفاقِ مال کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا اگر کسی دور میں عورتیں کمانے والی ہو جائیں تو مردوں کی یہ فضیلت زائل ہو سکتی ہے۔ مگر یہ آیت کریمہ اس غلط منطق کو باطل کر رہی ہے۔ کیونکہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو جو فضیلت دی ہے وہ فطری اور پیدائشی اعتبار سے ہے جو کسی علّت کے تابع نہیں ہے۔ اب رہا مردوں کا عورتوں پر اپنا مال خرچ کرنا، تو یہ دوسری فضیلت ہے، جیسا کہ قرآنی الفاظ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ لہٰذا اگر کسی وجہ سے دوسری فضیلت زائل ہو جائے تو پہلی فضیلت کسی بھی طرح زائل نہیں ہو سکتی، جو مرد کی جسمانی و ذہنی قوت کی بنا پر ہے۔ اور اس اعتبار سے عورتیں لاکھ کوشش کریں، وہ مردوں کے مقام و مرتبے تک نہیں پہنچ سکتیں۔ کیونکہ یہ فرق بالکل حیاتیاتی (BIOLOGICAL) ہے۔ اور اس باب میں فرائڈ جیسے اباحیت پسند تک کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ "مرد اور عورت کی تشریحی ساخت ایک امر مقدر ہے"۔

ANATOMY IS DESTINY (دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا : ۱۹/۹۰۷، ایڈیشن ۱۹۸۳ء) شہاب

اس طرح واضح کر دیا گیا کہ وہ درجہ (جس کی وجہ سے مردوں کو فضیلت دی گئی ہے) وہ مرد اور عورت کے مشترکہ معاملات میں مرد کے منتظم اور نگران ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ از رُوئے شریعت مرد ہی عورت پر خرچ کرنے اور بچوں کی تربیت کا ذمہ دار ہے۔ اس طرح خاندان کے اولین مسئول و ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے خاندان کے مشترکہ اُمور میں وہی قائد اور نگران ہونے کا زیادہ مستحق ہے۔ کیونکہ ان اُمور میں اُس کی ذمہ داری کا تقاضا ہے کہ اُسی کی بات چلے۔

اس لحاظ سے مرد کو جو اقتدار حاصل ہے وہ اس کی ذمہ داری کی وجہ سے ہے، تاکہ وہ اس سے بہتر طریقے سے عہدہ برآ ہو۔ اور یہ چیز شریعت کے اس عام قاعدے کی دقیق تطبیق ہے جو کہتی ہے کہ "اقتدار ذمہ داری کی بنا پر ملتا ہے"۔ اور یہ وہی قاعدہ ہے جس کو شریعت نے صاحبِ اقتدار لوگوں کا تعلق اُن کے ماتحت لوگوں سے دکھانے کے سلسلے میں پیش کیا ہے۔ اور اس کی اصل یہ حدیث ہے :

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ. وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا : تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اُس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور عورت بھی اپنے شوہر کے گھر میں نگران ہے اور اُس سے اُس کی نگرانی و ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

مردوں کو اگرچہ مشترکہ معاملات میں عورتوں پر یک گونہ فضیلت حاصل ہے، مگر مرد کو عورت کے خصوصی اُمور میں دخل دینے اور اُس پر زور چلانے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ مثال کے طور پر عورت اپنے حقوق کی خود مالک ہوتی ہے اور ان میں مرد کی مداخلت کے بغیر تصرّف کر سکتی ہے، اگرچہ وہ اس کا شوہر یا باپ ہی کیوں نہ ہو۔

اسلامی شریعت نے مرد اور عورت کے درمیان یہ مُساوات اپنے پہلے ہی دن یعنی چودہ سو سال پہلے ہی قائم کر دی تھی، جب کہ اُس وقت کی دُنیا اس قسم کی مُساوات اور ان دونوں کے حقوق و فرائض کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ اس لحاظ سے مساوات کو ثابت کرنے کے لئے کوئی جماعتی محرّک موجود نہیں تھا جو شریعت کو ایسا کرنے کے لئے مجبور کرتا۔ بلکہ اس کے برخلاف ضرورت اس بات کی تھی کہ

اسلامی شریعت کی تکمیل ایسے اعلیٰ اُصولوں کے ذریعہ کردی جائے جو اُس کے کمال و دوام کو برقرار رکھ سکیں۔

اسلامی شریعت نے عورت اور مرد کے درمیان مساوات کا جو اُصول تسلیم کیا ہے اس کی رفعت و بلندی کا اندازہ ہم اس طرح کرسکتے ہیں کہ ہمارے علم کے مطابق وضعی قوانین نے ان دونوں کے درمیان مساوات کو اُنیسویں صدی میں جاکر تسلیم کیا ہے مگر اس کے باوجود بعض اقوام اور اُن کے قوانین اب تک عورتوں کو اُن کے خصوصی اُمور میں بھی اُن کے شوہروں کی اجازت کے بغیر تصرّف کرنے سے منع کرتے ہیں۔

غرض زیرِ بحث نصوص کی عمومیت اور اُن کی لچک کی غایت و انتہا کا ہم آسانی سے اندازہ کرسکتے ہیں۔ ان نصوص (واضح ہدایات) کا دائرہ کبھی تنگ نہیں ہوسکتا۔ اور نہ وہ پیش آمدہ مسائل کا احاطہ کرنے سے عاجز رہ سکتے ہیں۔ اور ان نصوص میں جب کمال اور رفعت کا بھی اضافہ کردیا جائے تو ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ شریعت کے نصوص کسی تبدیلی یا ترمیم کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتے۔

۳۔ نظریۂ آزادی

وہ بنیادی اُصول جن کو اسلامی شریعت نے عالمِ انسانی کے سامنے پیش کیا ہے اُن میں سے ایک حُریّت یعنی آزادی کا اُصول بھی ہے۔ اور اسلامی شریعت نے اس اُصول کا اثبات بہت بہترین طریقے سے کیا ہے۔ چنانچہ اُس نے آزادیٔ فکر، آزادیٔ عقیدہ اور آزادیٔ رائے کو تسلیم کیا ہے۔ ہم اس موقع پر ان سب پر الگ الگ گفتگو کریں گے۔

۴۔ آزادیٔ فکر

اسلامی شریعت نے آزادیٔ فکر کا اعلان کرکے انسانی عقل کو اوہام و خرافات اور باپ دادا کی اندھی تقلید اور قومی عادات و خصائل سے جو خلافِ عقل ہوں نجات دلائی ہے۔ وہ اس بات کی داعی ہے کہ جو چیز خلافِ عقل ہو اُسے چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس موضوع پر بکثرت آیات وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً :-

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ

بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ : آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات اور دن کے ہیر پھیر میں، اُس کشتی میں جو سمندر میں لوگوں کے لئے نفع بخش سامان لے کر چلتی ہے، اُس بارش میں جس کو اللہ بادل سے برساتا ہے اور اُس کے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اور اُس میں ہر قسم کے جانداروں کو پھیلا دیتا ہے، ہواؤں کے قانونِ ادل بدل میں اور اُس بادل میں جو زمین اور آسمان کے درمیان مُسخر کیا ہُوا ہے، غرض ان تمام مظاہر میں عقلمندوں کے لئے یقیناً (اللہ کے وجود اور اُس کی قدرت و ربوبیت کی) نشانیاں موجود ہیں۔ (بقرہ : ۱۶۴)

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۔ وَاِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۔ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۔ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ : کیا یہ لوگ اُونٹوں کا مشاہدہ نہیں کرتے کہ وہ کس طرح بنائے گئے ہیں ؟ اور آسمان کا کہ وہ کس طرح بلند کیا گیا ہے ؟ اور پہاڑوں کا کہ وہ کس طرح نصب کئے گئے ہیں ؟ اور زمین کا کہ وہ (اپنی پوری گولائی میں) کس طرح پھیلائی گئی ہے ؟ (غاشیہ : ۱۷-۲۰)

چنانچہ قرآن لوگوں کو عار دلاتے ہُوئے کہتا ہے کہ وہ اپنی عقلوں کو بے کار نہ کر دیں، اپنی فکر کو معطل نہ کر دیں، غیروں کی بیجا تقلید نہ کریں، اوہام و خرافات پر یقین نہ کرلیں اور بلا سوچے سمجھے قومی عادات و روایات کو مضبوطی سے پکڑ نہ لیں۔ قرآن ان تمام اُمور میں ایسے لوگوں کی عیب گیری کرتا ہے اور اس قسم کے لوگوں کو چوپاؤں سے تشبیہہ دیتا ہے۔ کیونکہ وہ بغیر سوچے سمجھے دوسروں کا اتباع کرنے لگ جاتے ہیں اور اپنی ذاتی عقل و فکر کو کام میں نہیں لاتے۔ حالانکہ عقل ہی وہ واحد خصوصیت ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور دیگر مخلوقات کے درمیان فرق کیا ہے۔ لہٰذا انسان جب اپنی عقل کو معطل کر دیتا ہے تو وہ چوپاؤں کے برابر ہو جاتا ہے، بلکہ ان سے بھی زیادہ بدتر۔ چنانچہ قرآن مجید کہتا ہے :

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ

اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ : اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جنّ اور انسان پیدا کئے ہیں جن کے دل تو ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں، اُن کی آنکھیں تو ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں، اور اُن کے کان تو موجود ہیں مگر وہ اُن سے سُنتے نہیں۔ وہ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بدتر۔ یہی لوگ غافل (و بے پرواہ) ہیں۔ (اعراف : ۱۷۹)

۵۔ آزادئ عقیدہ

اسلامی شریعت ہی وہ اولین شریعت ہے جس نے آزادئ عقیدہ کو جائز قرار دیا اور اس نظریہ کی حفاظت و حمایت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ چنانچہ اسلامی شریعت کے مطابق کوئی بھی شخص اپنے لئے جو عقیدہ چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ اور کسی دوسرے شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو اپنا عقیدہ چھوڑنے یا کوئی دوسرا عقیدہ اختیار کرنے پر مجبور کرے۔ (ہاں البتہ دوسروں کی رہنمائی کی خاطر حق بات کی وضاحت کی جا سکتی ہے یا انہیں متنبہ کیا جا سکتا ہے) چنانچہ ارشادِ باری ہے :

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ : دین میں کسی قسم کی زبردستی نہیں ہے۔ (بقرہ : ۲۵۶)

فَذَكِّرْ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ؕ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ : آپ نصیحت کیجئے، آپ تو صرف نصیحت ہی کرنے والے ہیں، ان پر کوئی داروغہ نہیں۔ (غاشیہ : ۲۱-۲۲)

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ : اور رسول کے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ (نور : ۵۴)

اسلامی شریعت نے لوگوں کے لئے خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ہر ایک کے لئے آزادئ عقیدہ کی ضمانت دے کر بلند نظری کا ثبوت دیا ہے۔ اور اس نے بلادِ اسلامیہ میں رہنے والے غیر مسلموں کو بھی اس بات کی آزادی عطا کی ہے کہ کسی بھی اسلامی مملکت میں وہ اپنے دین، مسلک اور عقیدے کا اظہار کر سکتے ہیں اور اپنے دینی فرائض کو انجام دے سکتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اپنے دین کے قیام اور اُس کی تعلیم کے لئے عبادت گاہوں اور مدرسوں کو بغیر کسی حرج کے قائم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی ممالک میں یہود و نصاریٰ کے لئے ان تمام اُمور میں کامل آزادی حاصل تھی۔

۶۔ آزادیٔ رائے

اسلامی شریعت نے اظہارِ رائے کی آزادی کو جائز و مباح اور ہر انسان کا حق قرار دیا ہے۔ بلکہ اس کو انسان پر ہر اُس معاملے میں واجب قرار دیا ہے جس میں اخلاق اور مصالح عامہ متاثر ہوتے ہوں اور جن کو شریعت "منکر" یعنی ناپسندیدہ چیز سمجھتی ہو۔ جیساکہ ارشادِ ربانی ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ : اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور انہیں معروف (دین و عقل کی نظر میں پسندیدہ اُمور) کا حکم کرے اور مُنکر (ناپسندیدہ باتوں) سے روکے۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (آل عمران : ۱۰۴)

اور حدیث شریف میں آیا ہے: "تم میں سے جو کوئی بُرائی کو دیکھے تو چاہیٔے کہ اُس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر زبان سے اُس کی مذمت کرے۔ اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اس کام کو اپنے دل میں بُرا سمجھے۔ مگر یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے"۔

ہر انسان کو اگرچہ اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے مُطابق اظہارِ رائے کرے اور زبان و قلم کے ذریعہ اس کی مدافعت کرے، مگر یہ حُرّیت مطلق طور پر نہیں بلکہ مقید ہے کہ وہ جو کچھ کہے یا لکھے وہ عام آداب، اخلاقِ فاضلہ اور مزاجِ شریعت کے خلاف نہ ہو۔

یہ اسلامی شریعت کا وہ نظریۂ حُرّیت ہے (اپنی تینوں اقسام کے ساتھ) جس کو اُس نے ایسے وقت پیش کیا جب کہ لوگ اس بارے میں اپنی ذاتی عقل سے کچھ بھی سوچ نہیں رہے تھے۔ بلکہ صرف انہی باتوں کا چرچا کیا کرتے تھے جن کو اُنہوں نے اپنے باپ دادا سے وراثتاً پایا تھا۔ اور اُن کی نظر میں یہ ایک فطری بات تھی کہ انسان اپنے عقیدے کو بدلنے پر مجبور کیا جائے۔ اور اُس دور میں آزادیٔ قول اور آزادیٔ فکر کا حق صرف صاحبِ اقتدار اور طاقتور لوگوں ہی کو حاصل تھا۔

غرض اسلامی شریعت نظریۂ حُرّیت کو پیش کرنے میں وضعی قوانین سے گیارہ صدیاں آگے ہے، کیونکہ وضعی قوانین کے ذریعہ اُس کا آغاز اٹھارویں صدی کے اواخر اور اُنیسویں صدی کی ابتدا ہی میں

ہو سکا ہے۔ اس سے پہلے ان قوانین میں اس نظریہ کا تصور دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ تاریخی حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے برعکس ایسے مفکرین اور اصلاح پسندوں کو سخت تکلیفیں دی گئیں جنہوں نے اصحابِ اقتدار کے نظریات پر تنقید کی۔ مگر اہلِ یورپ کا سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ وہ حریت کے اولین علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ یہ شریعتِ اسلامیہ سے جہالت کا نتیجہ ہے۔

۷۔ طلاق کا نظریہ

نوٹ: صاحبِ کتاب نے اس موقع پر دیگر کئی نظریات بھی بیان کئے ہیں، جن میں اسلامی شریعت کو سبقت و اولیت حاصل ہے۔ مثلاً نظریۂ شوریٰ، نظریۂ تحریمِ خمر، نظریۂ معاہدات اور تحریری شہادت وغیرہ۔ لیکن یہ سب نظریات اس وقت موضوعِ بحث سے خارج ہیں، اس لئے انہیں نظرانداز کیا جاتا ہے۔ ہاں البتہ نظریۂ طلاق اور نظریۂ تعددِ ازدواج کا اس موضوع سے چونکہ گہرا تعلق ہے اس لئے اب اس موقع پر صرف انہی دو کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اسلامی شریعت نے مرد کے لئے جائز قرار دیا ہے کہ وہ اپنی منکوحہ کو طلاق دے دے، خواہ اُس سے مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو، اگرچہ اس بات کا کوئی ظاہری ثبوت بھی نہ ہو کہ رشتۂ نکاح کی وجہ سے مرد کو کوئی نقصان پہنچا ہے۔ اس لحاظ سے بیوی کو طلاق دینے کا دارومدار مرد پر ہے[عہ]

اور شریعت نے عورت کو بھی اجازت دی ہے کہ وہ قاضی سے مطالبہ کرے کہ وہ اُس کے شوہر سے اُسے طلاق دلوادے، جب کہ وہ یہ بات ثابت کردے کہ اُس کے شوہر نے اُسے جسمانی یا روحانی طور پر کوئی تکلیف پہنچائی ہے۔ یا یہ کہ اُس کا شوہر اُس کے وہ حقوق ادا نہیں کر رہا ہے جن کو شریعت نے اُس کے ذمہ واجب قرار دیا ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان حقِ طلاق کے استعمال میں جو اساسی فرق ہے وہ یہ ہے کہ مرد کو ازدواجی معاملات میں کنبہ کا بڑا اور نگران ہونے کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ تنہا وہی ازدواجی زندگی کا سارا بار بوجھ برداشت کرتا ہے۔ وہی بیوی کے مہر اور شادی کے اخراجات کا ذمہ دار ہے۔ وہی شادی کے دن ہی سے بیوی کے

عہ اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے ہماری کتاب "طلاق: اسلام اور عالمی قوانین میں" دیکھنی چاہیئے۔

اخراجات کا کفیل ہے، اگرچہ اس کی بیوی ابھی اُس کے گھر میں منتقل نہ ہوئی ہو اور وہی اپنی بیوی اور بچوں کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ہے۔[۱] لہٰذا ان تمام فرائض اور ذمہ داریوں کے پیشِ نظر اُسے طلاق کا حق مطلق طور پر دیا گیا ہے۔ اور یہ بات ایک دوسری حیثیت سے عورت کے لئے بھی مبنی بر مصلحت ہے کہ اگر مرد کو طلاق کے اسباب بیان کرنے پر مجبور کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے عورت کی نیک نامی پر دھبہ لگ جائے اور اس کا عقدِ ثانی مشکل ہو جائے۔ اب رہا عورت کا معاملہ تو اس کو طلاق کا حق مشروط طور پر ملا ہے، جب کہ اُسے کوئی مادی یا معنوی نقصان پہنچے۔ اس اُصول میں بہر حال مرد کو ایک درجہ فضیلت دیئے جانے کے اعتبار سے مطابقت نظر آتی ہے۔ اور عورت کو بھی مرد کی ایذا رسانی سے بچاؤ کی صورت موجود ہے۔ بہر حال شریعت نے مرد کو اگرچہ طلاق کا غیر مشروط حق عطا کیا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کے بالمقابل ایسی ذمہ داریاں بھی عائد کی ہیں جن سے بیوی کا تحفظ اور اس کے مفاد کی حفاظت ہوتی ہے۔

طلاق کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں: (۱) طلاق عورت کا مہر متعین ہونے اور اُس کے ساتھ ہم بستر ہونے سے پہلے بھی ہو سکتی ہے۔ (۲) یا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ عورت کا مہر تو متعین ہو گیا ہو مگر اس کے ساتھ ابھی ہمبستری نہ ہوئی ہو۔ (۳) یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مہر بھی متعین ہو اور ہم بستری بھی ہو چکی ہو۔ تو ان سب صورتوں میں شریعت نے مرد کے ذمہ مہر لازمی قرار دیا ہے، جس سے مفر کی کوئی صورت نہیں ہے۔ شریعت کے اس التزام سے جہاں ایک طرف عورت کے لئے معاوضہ حاصل ہوتا ہے تو دوسری طرف مرد کے لئے ایک انتباہ کی حیثیت بھی رکھتا ہے کہ وہ طلاق دینے سے پہلے اچھی طرح سوچ بچار کرلے۔

قرآن مجید میں ان سب صورتوں کے لئے الگ الگ احکام موجود ہیں۔ (دیکھئے سورۂ بقرہ : ۲۳۶ - ۲۳۷ اور نساء : ۲۰) اور پھر عدت کے دوران بیوی کا نان و نفقہ بھی مرد ہی کے ذمہ ہے، جو عورت کے حاملہ ہونے کی صورت میں وضعِ حمل (طلاق : ۲۸) اور غیر حاملہ ہونے کی صورت میں تین حیض، (بقرہ: ۲۲۸)

---

[۱] اسلامی قانون کے مطابق یہ تمام اخراجات، ذمہ داریاں اور فرائض مرد ہی پر عاید ہوتے ہیں، جو ہندوستانی معاشرے میں ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں پر دیگر قوموں سے میل جول کی بنا پر اصل اسلامی قانون تقریباً مسخ ہو کر رہ گیا ہے۔ مگر اب اسلامی قانون کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس پر سختی کے ساتھ عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ شہاب

طلاق کے سلسلے میں جو احکام وارد ہوئے ہیں اُن کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی عمومیت اور لچک کے اعتبار سے اپنی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور اسی بنا پر وہ ہر دور اور ہر ملک کے لئے قابلِ عمل ہیں۔ لہٰذا ان میں کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کی تازگی' صلاحیت اور بار[illegible]ی آج بھی برقرار ہے۔ اور وہ بالکل تازہ دم نظر آتی ہے۔

طلاق کی مقبولیت

غرض اسلامی شریعت نے چودہ سو سال پہلے ہی میاں بیوی کو طلاق کا حق دے دیا تھا۔ نیز مذکورۂ بالا قوی اور منصفانہ ضمانتوں کے ذریعہ اس کا احاطہ کر دیا تھا (تاکہ اس سلسلے میں کوئی بے انصافی یا کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے)۔ مگر موجودہ متمدن دُنیا اس حق سے بیسویں صدی میں [illegible]کر متعارف ہو سکی ہے۔ اور بعض متمدن قومیں تو اسلامی شریعت پر اعتراض کرتی تھیں کہ اُس نے حقِ طلاق کو کیوں تسلیم کیا ہے؟ مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور علوم وفنون کی ترقی ہونے لگی اور عقلوں کے دریچے کھل گئے تو اہلِ علم اور مفکرین کو نظر آیا کہ طلاق کا قانون میاں بیوی کے لئے ایک نعمت ہے' جو ناکام ازدواجی زندگی اور نفسیاتی اذیتوں سے نجات پانے کا واحد راستہ ہے اور طلاق ہی وہ قانون ہے جو ازدواجی زندگی کی ناکامی کی صورت میں زوجین کی دوبارہ سعادت کا باعث بنتا ہے اور ان دونوں کی لغزشوں اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھتا ہے[۵]

---

[۵] چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی فطرت یکساں طور پر نہیں رکھی ہے' بلکہ ذہنوں اور طبیعتوں میں بہت بڑا اختلاف رکھ دیا ہے، اس لئے یہ واضح اختلاف کبھی کبھی مرد اور عورت کی جُدائی کا باعث بن سکتا ہے اور اس صورت میں ازدواجی بندھن کو قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مگر ایسے موقع پر ان دونوں کے لئے قانونی طور پر جُدائی کی گنجائش نہ رکھنا فسادِ تمدن کا باعث بن سکتا ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے طلاق کا قانون ایک فطری اور سائنٹفک قانون ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چونکہ خالقِ کائنات ہے اور وہ اپنی تخلیق کے تمام بھیدوں سے آگاہ ہے، اس لئے اُس نے اس ابدی قانون کو اپنی شریعت میں ایک ضابطۂ حیات کے طور پر رکھا ہے۔ شہاب

چنانچہ آج متمدّن اور ترقی یافتہ قوموں کا کوئی بھی وضعی قانون طلاق کی دفعہ اور اُس کے اعتراف سے خالی نہیں ہے لیکن یہ قوانین طلاق کے اُصول کو تسلیم کر لینے کے باوجود اُس کے تفصیلی نفاذ میں مختلف دکھائی دیتے ہیں یعنی بعض قومیں طلاق کے دائرے میں وسعت دیتی ہیں تو کچھ قومیں اس کو محدود کرتی ہیں۔ چنانچہ روسی قانون مرد اور عورت دونوں کے لئے بغیر کسی قید یا شرط کے طلاق کو یکساں طور پر جائز قرار دیتا ہے۔ شریعت نے جس اُصول کو صرف مرد کے لئے وضع کیا تھا اُس کو روسی قانون مرد اور عورت دونوں کے لئے روا رکھتا ہے۔ اس کے برعکس امریکہ کے بعض صوبوں کے قوانین مرد اور عورت دونوں کو مطالبۂ طلاق کا حق عطا کرتے ہیں جب کہ مطالبہ کرنے والا (زوجین میں سے کوئی ایک) یہ ثابت کر دے کہ اُس کے شریکِ زندگی (زوجین میں سے کوئی ایک) نے اُس کو مادی یا معنوی نقصان پہنچایا ہے۔ یہ قوانین اُس اُصول سے ماخوذ ہیں جس کو شریعت نے عورت کے لئے روا رکھا تھا۔ (جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے) مگر اس دفعہ کو لے کر یہ ممالک مرد اور عورت دونوں کو اس کے تابع کرتے ہیں۔ ٭

اسی طرح اکثر وضعی قوانین محدود دائرے اور معین اسباب کی بنا پر میاں بیوی میں سے کسی ایک کی طلب کی بنا پر حقِ طلاق کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ قوانین مرد اور عورت پر وہ دفعہ لاگو کرتے ہیں جس کو شریعت نے عورت پر لاگو کیا تھا، لیکن وہ بھی اسبابِ طلاق اور اُس کے دائرے کو محدود کرتے ہوئے۔

بہرحال تیرہ صدیاں گزر جانے کے بعد عصرِ جدید نے شریعتِ اسلامیہ کے قانونِ طلاق کا اعتراف کیا اور اس کو اپنایا ہے۔ اب ہو سکتا ہے کہ بیسویں صدی گزرنے سے پہلے ہی وضعی قوانین جوازِ طلاق کو اور بھی وسیع کر دیں اور شریعت کے نظریہ کو مکمل طور پر اپنا لیں۔

٭ اس لحاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق ایک ترقی یافتہ قانون ہے، جس کی اہمیت و افادیت سے موجودہ ترقی یافتہ دور ہی واقف و آگاہ ہو سکا ہے۔ مگر انسانی علم و عقل چونکہ ناقص ہیں اس لئے وہ ان قوانین کا اعتراف اور اس کا نفاذ بھی ناقص طور پر ہی کر رہے ہیں۔ شہاب

اب ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جس وقت شریعت نے نظریۂ طلاق کو پیش کیا، اُس وقت دُنیا اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ لیکن شریعت میں اس نظریہ کا وجود شریعت کی تکمیل کا مقتضی تھا، کیونکہ ایک کامل اور دائمی شریعت ایسے نظریات کی حاجت مند رہتی ہے۔ اور اس قانون کے ذریعہ سوسائٹی کا معیار بڑھانا اور اُسے ترقی وکمال کی شاہراہ پر ڈالنا مقصود ہے۔

۸۔ تعدّدِ ازدواج کا نظریہ

اسلامی شریعت نے اپنے نزول ہی کے دن سے تعدّدِ ازدواج (POLYGAMY) کو جائز قرار دیا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ مرد ایک سے زیادہ بیویوں کی صورت میں ان کے درمیان عدل و انصاف قائم رکھنے کی اہلیت اپنے آپ میں پاتا ہو۔ مگر جب اُسے یقین ہو جائے کہ وہ ان کے درمیان عدل وانصاف قائم رکھنے کی سکت نہیں رکھتا تو اس کے لئے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ وہ چار ہی بیویاں کرسکتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے :

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً : جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین اور چار چار سے نکاح کرلو۔ اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم ان کے درمیان انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی کافی ہے۔ (نساء : ۳)

اسلامی شریعت نے تعدّدِ ازدواج کو جو جائز قرار دیا ہے تو اس کی دو وجوہات ہیں: ایک تو اس میں خود اس کا اپنا مخصوص مزاج و فلسفہ ہے اور دوسرے وہ انسانی طبیعت کے بھی مطابق ہے۔ نیز اس کے علاوہ وہ مقصدِ ازدواج سے بھی ہم آہنگ ہے۔

تعدّدِ ازدواج کے سلسلے میں شریعت کی منطق یہ ہے کہ چونکہ شریعت نے زنا کو یکسر حرام کردیا ہے اور اس کے مرتکب کے لئے سخت سزا تجویز کی ہے کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کردیا جائے، تو اس اعتبار سے نامناسب تھا کہ شریعت ایک طرف زنا کو لوگوں کے لئے حرام بھی کردے اور دوسری طرف انہیں زنا کی جانب بڑھنے بھی دے۔ (ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر فطری طریقہ ہوتا۔ جب ان پر ایک جانب سے

بندش عائد کی جارہی ہے تو دوسری طرف طبیعی و اجتماعی ضرورتوں کے تحت کوئی دوسرا مُتبادل راستہ کھلا ہونا چاہیئے) اور اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ تعدّدِ ازدواج کی حُرمت لوگوں کو زِنا کی طرف مائل کرتی ہے۔ (لہٰذا زِنا کی حُرمت کا واحد متبادل کثرتِ ازدواج یعنی ایک سے زیادہ شادیوں کا جواز ہونا چاہیئے)۔ اور واقعہ کے لحاظ سے یہ بات اس طرح صادق آتی ہے کہ دُنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ اور جب کبھی جنگیں ہوتی ہیں تو ان دونوں جنسوں کے درمیان یہ فرق اور بھی زیادہ ہوجاتا ہے۔ اس اعتبار سے ایک سے زیادہ بیویوں کی ممانعت کی وجہ سے بہت سی عورتیں بے نکاح رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ عورت کا نکاح کی استعداد کے باوجود نکاح سے محروم رہ جانا بہت سے مفاسد پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے اور وہ غلط راہوں پر نکل سکتی ہے۔

اسی طرح مرد اور عورت دونوں جنسی عمل کی استعداد کی حیثیت سے بھی مختلف ہیں۔ عورت تو اس معاملے میں ہر وقت مرد کی آغوش میں جانے کے لئے تیار نہیں رہتی۔ کیونکہ وہ ہر مہینہ متوسّط طور پر ایک ہفتہ تک حیض کی حالت میں رہتی ہے۔ اور کبھی کبھی حیض کی یہ حالت دو ہفتے بھی ہوجاتی ہے۔ اور اس حالت میں مجامعت حرام ہے۔ اسی طرح عورت کو بچہ ہونے کے بعد نفاس کی حالت میں بھی) جو عموماً چالیس دن ہوتی ہے، مجامعت حرام ہے۔ اسی طرح حمل کی حالت میں بھی عورت کی یہ استعداد کمزور رہتی ہے۔ مگر ان تمام حالتوں میں مرد کی استعداد میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر مرد پر ایک سے زیادہ بیوی کرنا ممنوع قرار دیا جائے تو یہ چیز بہت سوں کے لئے زِنا کا دروازہ کھولنے کا باعث ہوسکتی ہے کیونکہ ایسے افراد ایامِ حیض و نفاس اور حمل کی حالت میں اپنی جنسی جبلّت پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ لہٰذا اسلامی شریعت نے انسانی طبائع کا لحاظ کرتے ہوئے کثرتِ ازدواج کو مشروط طور پر جائز قرار دیا ہے۔ (یعنی ہر ایک کے لئے ضروری و لازمی چیز نہیں ہے بلکہ یہ چند شرطوں کے ساتھ صرف ایک اجازت ہے)۔ کیونکہ اس امتحان میں اگر دس بیس افراد کامیاب بھی ہوجائیں تو سیکڑوں افراد کی لغزش کا امکان ہے۔ لہٰذا شریعت نہیں چاہتی کہ وہ لوگوں کو امتحان گاہ کی بھٹی میں جھونک دے۔

اس کے علاوہ بعض اوقات پہلی بیوی کو بچہ نہ ہونے کی صورت میں بھی دوسری شادی کی نی

پڑتی ہے۔ (اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مصلحتیں ہیں جن کو طوالت کے خوف سے نظرانداز کیا جاتا ہے)

یہ ہے کثرتِ ازدواج کے سلسلے میں اسلامی شریعت کا نظریہ جو معاشرتی نقصانات اور خرابیوں کو دُور کرنے، عورتوں کے درمیان مساوات قائم کرنے اور اخلاقی معیار کو بلند کرنے کی غرض سے جائز قرار دیا گیا ہے۔ کثرتِ ازدواج کے سلسلے میں جو قرآنی نص (واضح بیان) ہمارے سامنے موجود ہے وہ انتہائی درجہ عام اور لچکدار ہے۔ اور یہ بیان اپنی صلاحیت کے لحاظ سے جس طرح چودہ سو سال سے محفوظ ہے، اسی طرح آئندہ بھی اس کی صلاحیت انشاءاللہ محفوظ اور کارآمد رہے گی۔

یہ بھی واضح رہے کہ اس "نص" کو شریعت نے جماعت یا سوسائٹی کی حالت سے مطابقت ظاہر کرنے کے لئے پیش نہیں کیا تھا۔ کیونکہ دورِ رسالت میں اہلِ عرب کثرتِ ازدواج کو غیر معیّن طور پر جائز قرار دیتے تھے۔ لہٰذا وہ بیویوں کی تعداد کو محدود کرنے پر خوش نہیں تھے۔ بلکہ اس حکم کے نزول کے بعد انہیں صرف چار بیویوں پر اکتفا کرتے ہوئے باقی بیویوں کو طلاق دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ شریعت نے اس حکم کے ذریعہ جماعت و سوسائٹی کا معیار بلند کرنا چاہا ہے۔ کیونکہ اس کا وجود ایک دائمی اور کامل شریعت میں ضروری تھا، جو کسی ترمیم و تبدیلی کو قبول نہ کرسکتی ہو۔

تعدّدِ ازدواج اور عصرِ حاضر

کثرتِ ازدولج (ایک سے زیادہ بیویاں کرنا) کے سلسلے میں شریعت کا نظریہ اُن نظریات میں سے ہے جن کا اعتراف وضعی قوانین نے اب تک نہیں کیا ہے۔ بلکہ یہ نظریہ زمانۂ قدیم ہی سے یورپی قوموں کے لئے عجیب و غریب نظر آتا رہا ہے، جس کی بنا پر وہ اسلام پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ مگر آج صورتِ حال بدل گئی ہے۔ اور یورپین علماء اور مُصلحین نیز اُن کے مؤقر اخبارات میں اب اس قانون کے بارے میں نرم گوشہ ظاہر ہونے لگا ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ وہ دن قریب آگیا ہو جس میں وضعی قوانین شریعت کی اس دفعہ کو پوری طرح اپنالیں۔ کیونکہ پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۴-۱۹۱۹ء)

اور دوسری جنگِ عظیم (۱۹۳۹ - ۱۹۴۵ء) دونوں نے اس تصوّر کو قبول کرنے اور ماحول کو سازگار بنانے کے سلسلے میں بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔ ان دونوں جنگوں میں مردوں کی ایک بڑی تعداد کام آگئی اور عورتیں کثیر تعداد میں بیوہ ہوگئیں۔ اس طرح عورتوں کی تعداد مردوں سے نمایاں طور پر بڑھ گئی ہے۔

اور سچی بات تو یہ ہے کہ صرف جنگیں ہی اس سلسلے میں بنیادی سبب نہیں ہیں، جنہوں نے اہلِ یورپ کو کثرتِ ازدواج کے جواز میں غور کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔ بلکہ اس کے علاوہ اور بھی دوسرے متعدّد اسباب ہیں۔ جن میں سے ایک جنسِ مخالف سے "دوستی" کی کثرت اس طرح ہوگئی ہے کہ ایک ایک شخص کی کئی کئی "گرل فرینڈ" ہوتی ہیں جو اس کی مردانگی، عنایت اور مال میں اُس کی بیوی ہی کی طرح برابر کی شریک ہوتی ہیں۔ دوسرا سبب زِنا کی کثرت اور اُس کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والے جرائم ہیں۔ چنانچہ حرامی بچوں کی کثرت اتنی ہوگئی ہے کہ اب ذلّت کے خوف سے نوزائیدہ بچّوں کو سڑکوں پر پھینک دیا جاتا ہے، یا کنواری مائیں اپنا حمل گرا کر انہیں ساقط کر دیتی ہیں۔ (اور یہ سب مانعِ حمل ادویات اور مانعِ حمل حیلوں کی کثرت کے باوجود بھی ایسا ہو رہا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ حرامی بچوں کی تعداد اور بھی کئی گنا زیادہ ہوتی)۔ تیسرا سبب فطری طور پر دُنیا میں عورتوں کی زیادتی ہے۔ اور ان کی یہ خواہش اور جائز ضرورت ہے کہ وہ بھی قانونی طور پر بیویاں اور مائیں بنیں۔ اور چوتھا سبب یورپی قوموں میں واضح طور پر نسلِ انسانی کی کمی کا مسئلہ ہے۔

یہ اور ان جیسے اور بھی اسباب و محرّکات ہیں جنہوں نے اربابِ فکر کو کثرتِ ازدواج کے جواز کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ کیونکہ اس سلسلے میں کثرتِ ازدواج ہی ان تمام خرابیوں اور اجتماعی امراض کا فطری علاج ہو سکتا ہے۔[۹]

حاصلِ بحث

ان واقعات اور ان حقائق و معارف سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ قانونی اور دستوری حیثیت سے

---

[۹] ملخص از التشریع الجنائی الاسلامی، صفحات ۱۲ - ۵۵، اس ترجمے اور خلاصے میں کہیں کہیں خفیف سا تصرف بھی کیا گیا ہے۔

اسلامی شریعت کو وضعی یا انسانی قوانین پر تقدّم' اولیت اور برتری حاصل ہے اور ان کی جدّت و تازگی میں اب تک کوئی فرق نہیں آسکا ہے۔ بلکہ ترقی یافتہ قومیں اور اُن کے قوانین برابر اسلامی شریعت و قانون سے اخذ و استفادہ کر رہے ہیں۔ بالفاظِ دیگر اسلام کے سایے میں پناہ لینے پر مجبور نظر آرہے ہیں۔ لیکن حقیقت تو بہر حال حقیقت ہے' خواہ کوئی اس بات کا اعتراف کرے یا نہ کرے۔ تاریخی واقعات اپنی جگہ پر تاریخی حقائق کے حامل ہوتے ہیں۔ غرض موجودہ ترقی یافتہ قوموں نے ایک چودہ سو سال "پُرانے" قانون سے اخذ و استفادہ کر کے اس کی جدّت و تازگی اور اس کی برتری و معقولیت پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اور اس اعتبار سے اسلامی شریعت یا اسلامی قانون پر کہنگی کی پرچھائیاں کبھی نہیں پڑ سکتیں۔ بلکہ زمانے کی ترقی و تقدّم کے باعث اس میں مزید نکھار پیدا ہوتا چلا جائے گا اور علوم و فنون کی ترقی کے باوجود اسلامی قانون کی ضرورت و اہمیت اور زیادہ ہوتی چلی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ یہی چیز اُس کے من جانب اللہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ انسان کے بنائے قوانین برابر بدلتے رہتے ہیں اور خُدائی قوانین کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے کہ اُس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ اسلامی شریعت و قانون میں اب تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور نہ اس میں تبدیلی کی ضرورت ہی دکھائی دیتی ہے، تو پھر یہ بات آپ سے آپ ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلامی شریعت خُدائے عالم کی جانب سے ہے۔ لہٰذا اب جو لوگ خُدائی قانون میں تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں وہ نہ صرف خُدائی قانون اور اُس کے مزاج و فلسفے سے ناواقف ہیں' بلکہ خود وضعی قوانین اور اُن کے اُصول و فلسفے سے بھی ناواقف ہیں۔ اور جو لوگ ان دونوں کی اصلیت سے ناواقف ہوں اُنہیں اس معاملے میں بولنے اور لب کُشائی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ آج کل کے بہت سے "دانشور" اسلامی شریعت کو بزعم خود غلط طور پر ایک "دقیانوسی قانون" تصوّر کر کے اس میں ترمیم و تبدیلی کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔ مگر جیسا کہ اُوپر کے مباحث سے ظاہر ہو گیا اسلامی شریعت کی کوئی بھی شق اور اس کی کوئی بھی دفعہ حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی قانون ہی وہ واحد قانون ہے جو موجودہ دُنیا کے تمام

قوانین میں کامل، برتر، کارآمد اور ابدی و سرمدی نظر آتا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اب دُنیا آہستہ آہستہ اُس کے اس ابدی قانون سے اخذ و استفادہ کرنے لگی ہے۔ حتیٰ کہ جدید طبقے کی طرف سے جن اسلامی قوانین پر سب سے زیادہ اعتراض کیا جاتا ہے یعنی قانونِ طلاق اور قانونِ کثرتِ ازدواج، ان کی اہمیت و افادیت بھی اب عصرِ جدید نے تسلیم کرنا شروع کر دی ہے۔ طلاق کے بارے میں تو ظاہر ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی میں اکثر ترقی یافتہ ملکوں نے اس کو کسی نہ کسی صورت میں اختیار کر لیا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ کچھ مدت کے بعد اسلام کے قانونِ طلاق کو مکمل شکل میں قبول کر لیا جائے۔ کیونکہ یہ موجودہ دور کے بہت سے پیچیدہ مسائل اور معاشرتی خرابیوں کا ایک فطری اور سائنٹفک حل ہے۔

واضح رہے کہ قانونِ طلاق کو اُصولی طور پر تسلیم کر لینے کے باوجود آج بہت سی قوموں میں عملاً اس کے حصول کی مشکلات یا پیچیدگیوں کے باعث بہت سے خاندان جہنم کا نمونہ بنے ہوئے ہیں۔ اور اس باب میں ہندو معاشرے کی مثال سب سے نمایاں ہے، جو جہیز کے خوفناک اور بے رحم شکنجوں میں جکڑا ہوا بلبلا رہا ہے۔ چنانچہ آج ہندوستانی معاشرے میں بہت سی "امواتِ جہیز" حقیقتاً "امواتِ طلاق" ہوتی ہیں۔ کیونکہ طلاق کی آسانیاں حاصل نہ ہونے کی وجہ سے (جس طرح کہ اسلام نے اس کو آسان بلکہ میاں بیوی کا ایک پرسنل مسئلہ قرار دے دیا ہے) ناپسندیدہ عورتوں سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے انہیں جلا کر یا گلا گھونٹ کر مار دیا جاتا ہے۔ اور پھر اس کو آسانی کے ساتھ خودکشی کا کیس ثابت کر دیا جاتا ہے۔ اگر طلاق کی سہولتیں حاصل ہوں تو پھر ہزاروں معصوم عورتوں کی جان بچائی جا سکتی ہے۔ اور اس اعتبار سے قانونِ طلاق حقیقتاً "قانونِ زندگی" ہے۔ مگر جو قوم اپنے لئے بجائے زندگی کے موت ہی کو ترجیح دینے لگ جائے تو ظاہر ہے کہ ساری دُنیا بھی مل کر اُس کو بچا نہیں سکے گی۔ فاعتبروا۔

اب رہا معاملہ کثرتِ ازدواج کا، تو یہ بھی ایک فطری اور سائنٹفک قانون ہے، جس کے باعث اب مفکرین اور دانشورانِ یورپ نے اس بارے میں غور و فکر کرنا شروع کر دیا ہے اور جلد یا بدیر اس سلسلے میں رائے عامہ بدلنے والی ہے۔ لہٰذا جو اسلامی قوانین نوعِ انسانی کے لئے حقیقتاً مفید اور

کارآمد ہیں اُن کے بارے میں مخالفینِ اسلام اور متعصب مستشرقین کے گمراہ کن پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر اُن کی ہاں میں ہاں ملانا ایک غیر معقول رویہ ہے، جس کو سوائے تعصب کے اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔

نوعِ انسانی کو چاہئے کہ اس باب میں کسی بھی قسم کے تعصب اور اندھی تقلید کے دائرے سے نکل کر کھلے ذہن و دماغ کے ساتھ اسلامی قانون اور اُس کی معقولیت کا مطالعہ کرے اور اس کی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اسلامی قانون دنیائے انسانیت کے لئے درحقیقت آبِ حیات کا درجہ رکھتا ہے۔ اور اسی بنا پر اسلام عالمِ بشریت کو اس خیر اور بھلائی کو اپنانے کی دعوت دیتا ہے، جس میں ساری انسانیت کا بھلا ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اسلام کا بنیادی مقصد پوری نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی ہے۔ غرض اسلامی قانون ہی وہ واحد خدائی قانون ہے جو اُونچ نیچ سے پاک ایک متوازن اور فطری قانون ہونے کے باعث پوری نوعِ انسانی کے لئے امن و سلامتی کا باعث بن سکتا ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا : (لوگو) تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے واضح دلیلیں پہنچ چکی ہیں لہٰذا اب جس نے انہیں صحیح طور پر دیکھا تو اس کا فائدہ خود اُسی کو ہوگا۔ اور جو اندھا بنا تو اُس کا وبال بھی اُسی پر ہوگا۔ (انعام : ۱۰۴)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا : لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہارے پاس ایک نورِ روشن (قرآن) بھیج دیا ہے۔ (نساء : ۱۷۴)

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ : کہہ دو کہ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بات پہنچ چکی ہے۔

اس لئے اب جو کوئی راہ یابی پائے گا وہ اپنے بھلے کے لئے پائے گا۔ اور جو صحیح راستے سے بھٹک جائے گا تو اس کا نقصان اُسی پر ہوگا۔ اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔ (یونس : ۱۰۸)

یہ عالمِ انسانی کے لئے خلّاقِ عالم کا واضح اور دوٹوک فیصلہ ہے کہ اگر انسان، کو اپنی بھلائی اور خیر مطلوب ہے تو خدا کی بات مانے اور اُس کے قانون کو اختیار کرے۔ وہ قانون جو نہ صرف حیات بخش ہے بلکہ ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ اور وہ کوئی دقیانوسی یا ازکار رفتہ قانون نہیں بلکہ ایک علمی اور سائنٹفک چیز ہے، کیونکہ وہ علم وعقل کی میزان میں بالکل کھرا اُترتا ہے۔ اور اس بنا پر اگر کوئی قانون تمام اقوام کے لئے "مشترکہ قانون" (یونیفارم سول کوڈ) بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو وہ یہی خدائی قانون ہے جو حکمتوں اور خوبیوں سے بھرپور ہے۔

(۴)

اسلامی شریعت کی حقیقت و ماہیت

اور اس کے چند امتیازی خصائص

دین و شریعت کا فرق

اسلام کا دعویٰ ہے کہ تمام انبیائے کرام کا دین ایک ہی رہا ہے۔ یعنی تمام آسمانی ادیان میں اُصولِ دین مشترک رہے ہیں۔ مثلاً توحید، رسالت، اور یوم آخرت پر ایمان، اللہ کی عبادت اور اخلاقی بُرائیوں سے بچنا وغیرہ۔ مگر عبادت کے طور طریقوں اور زندگی کے ضوابط میں باہم کچھ اختلاف بھی رہا ہے، جس کو شریعتوں کا اختلاف کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے تمام انبیائے کرام کا دین ایک تھا مگر ان کی شریعتیں مختلف تھیں۔ چنانچہ حسب ذیل آیتوں میں دین و شریعت کا یہ اختلاف اس طرح بیان کیا گیا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحاً وَالَّذِيْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ : اللہ نے تمہارے لئے دین کا وہی حصہ مقرر کیا ہے جس کا اُس نے نوح کو حکم دیا تھا، اور جس کو ہم نے (اے محمد) تیرے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے، اور جس کا ہم نے

ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھو، اور اس میں تفرقہ مت ڈالو (شوریٰ: ۱۳)

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا : ہم نے آپ پر یہ کتاب حقانیت کے ساتھ اُتاری ہے، جو اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان پر نگہبان ہے۔ لہٰذا آپ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کیجیئے۔ اور جو حق بات آپ کو اللہ کی طرف سے مل چکی ہے اُس سے مُنہ موڑ کر ان (گمراہ) لوگوں کی خواہشات کی پیروی مت کیجیئے۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیئے ایک شریعت اور ایک واضح راہ مقرر کر دی ہے۔ (مائدہ : ۴۸)

قرآن مجید میں لفظ دین حسبِ ذیل تین معنی کے لیئے استعمال کیا گیا ہے : (۱) اطاعت و تابعداری (۲) بدلہ و جزاء (۳) شریعت[2]۔ اور اس سے کہیں پر پوری شریعت (تمام احکام خُداوندی) مراد ہوتے ہیں، اور کہیں پر شریعت کا بعض حصہ، یعنی بعض احکام۔ اور اکثر مفسّرین کا کہنا ہے کہ اُوپر پیش کردہ پہلی آیت میں اُصولی احکام کا بیان ہے جو تمام انبیائے کرام کے درمیان مشترک تھے[3]۔

غرض اس اعتبار سے تمام انبیائے کرام کا دین ایک تھا۔ مگر دوسری آیت کے مطابق انبیاءؑ کی شریعتیں مختلف تھیں۔ لفظ شِرعہ اور شریعت کے لفظی معنی گھاٹ کے ہیں جہاں پر انسان اور جانور پانی پیتے ہیں[4]۔ اور ان دونوں الفاظ کے اصطلاحی معنی دین کے اُس طریقے کے ہیں جس کو

---

[1] اس میں بیان پورے دین کا نہیں بلکہ اُس کے بعض حصّوں کا ہو رہا ہے، جیساکہ یہاں پر " من الدین " میں " من " تبعیضیہ ظاہر کر رہا ہے۔ اور دین کا یہی متفق علیہ حصہ تمام انبیائے کرام کو یکساں طور پر دیا گیا تھا۔ اور یہ بات اس طرح بھی صادق آتی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحبِ شریعت نہیں تھے۔ یعنی آپ کو کوئی مستقل شریعت نہیں دی گئی تھی۔

[2] دیکھیئے معجم الفاظ القرآن الکریم : ۱/۴۲۹، مجمع اللغۃ العربیہ، مصر، ۱۳۹۰ھ

[3] دیکھیئے تفسیر کشاف ۳/۴۶۳، تفسیر قرطبی ۱۶/۱۰، تفسیر کبیر ۲۷/۱۵۶ وغیرہ

[4] لسان العرب ۸/۱۷۵، مطبوعہ بیروت

اللہ نے (اپنے بندوں کے لئے) مقرر کیا ہے اور اُس پر چلنے کا حکم دیا ہے، جیسے نماز، روزہ، حج، زکاۃ اور دیگر اعمالِ خیر۔[۵]

امام راغب تحریر کرتے ہیں کہ شرع اور شریعت سے مراد اللہ کا طریقہ ہے۔ اور حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ شریعت سے مراد وہ احکام ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں اور منہاج سے مراد وہ احکام ہیں جو حدیث میں مذکور ہیں۔[۶]

مگر عام طور پر شریعت سے مراد قرآن اور حدیث دونوں کے احکام ہوتے ہیں۔ اور فقہ ان دونوں کے تفصیلی مطالعے کا نام ہے۔ لفظ "شریعت یا شریعتِ اسلامیہ جب دُنیا کے مروج قوانین کے مقابلے میں مستعمل ہو تو اس سے مراد وہ تمام احکام ہوتے ہیں جن پر دینِ اسلام مشتمل ہے"۔[۷]

شریعت سے مراد وہ احکام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے بیان کیا ہے۔ اس اعتبار سے شارع اول یعنی اولین قانون ساز خود اللہ تعالیٰ ہے، جس نے اسلامی شریعت کے ان اُصول و مبادی کا نزول فرمایا جن میں دین بھی ہے، قضا بھی ہے اور قانونی احکام بھی۔[۸]

اس اعتبار سے دین و شریعت کے معنی میں اختلاف ہوتے ہوئے بھی ان دونوں کے مقصود و مدعا میں اشتراک پایا جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی ایک کو دوسرے کی جگہ پر بول دیا جاتا ہے، اگرچہ دین کا استعمال عام اور شریعت کا استعمال خاص ہے۔ اور لفظ شریعت کبھی کبھی قانون کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

اصل قانون ساز اللہ ہے

غرض ان وضاحتوں سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے جس طرح دین خُدا کی

---

[۵] لسان العرب ۱۷۶/۸

[۶] المفردات فی غریب القرآن، ص ۲۵۸، مطبوعہ بیروت۔

[۷] اُردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام: ۷۰۵/۱۱، مطبوعہ لاہور

[۸] فلسفۃ التشریع فی الاسلام از صبحی محمصانی، ص ۲۲، مطبوعہ بیروت۔

طرف سے ہے، اسی طرح اسلامی شریعت بھی خدا ہی کی طرف سے ہے، اور اصل شارع (قانون ساز) اللہ تعالیٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شریعت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ : پھر ہم نے آپ کو ایسی شریعت پر مقرر کر دیا ہے جو (ہمارے) حکم سے ہے، لہٰذا آپ اس کی پیروی کیجئے اور ان لوگوں کی خواہشات پر مت چلیئے جو (صحیح) علم نہیں رکھتے۔ (جاثیہ : ۱۸)

اس کا صاف مطلب اور تقاضا یہ ہے کہ زندگی کے ضوابط میں اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور کی پیروی کرنا جائز نہیں ہے، خواہ ایسے لوگ "علوم و فنون" کی کتنی ہی ڈگریاں کیوں نہ رکھتے ہوں اور "قانون" کے کتنے ہی اونچے عہدوں پر فائز کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ یہ بات ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ خدا کی شریعت اور خدا کے قانون میں کبھی کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ خدائی احکام کامل، اعلا تر اور دوامی ہوتے ہیں۔ جب کہ انسانی قوانین ناقص، کمتر اور وقتی و عارضی ہوتے ہیں، اگرچہ انہیں قانون سازوں اور دانشوروں کی ایک پوری ٹیم ہی نے کیوں نہ وضع کیا ہو۔ جیسا کہ ہمیں اس کا نظارہ مختلف ترقی یافتہ قوموں میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہونے والے نئے نئے قوانین کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔ لہٰذا ایک ایسا مکمل اور اعلیٰ قانون وضع کرنا صرف خدا ہی کا فعل ہو سکتا ہے، جو انسانوں کے بس سے باہر کی چیز ہے۔ اسی بنا پر ارشاد ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰۗؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ : کیا ان لوگوں کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین کا وہ طریقہ نکالا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے؟ (شوریٰ : ۲۱)

اس قسم کی آیات کسی ایک دور کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، بلکہ ان کا مفہوم و مصداق ہر دور میں مختلف حیثیتوں سے ظاہر ہو سکتا ہے۔

ہر دور میں صرف حکمِ خداوندی کا اتباع

مذکورۂ بالا بحث سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ شریعت کا اصل واضع اور قانون ساز صرف اللہ ہے، اور رسول شریعتِ الٰہی کا صرف شارح و ترجمان ہے۔ اسی بنا پر اہلِ اسلام کو ہر دور میں صرف حکمِ الٰہی کا اتباع کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور اسی کا نام "اللہ کی بندگی" ہے۔

یہ صرف اسلامی شریعت ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ دورِ آدم سے لے کر دورِ محمدی تک تمام آسمانی شریعتوں کی یہی امتیازی صفت رہی ہے۔ چنانچہ اہلِ کتاب کو اس سلسلے میں جو حکم دیا گیا تھا وہ حسبِ ذیل تین خصوصیات کا حامل تھا: (۱) بندگی صرف اللہ کی ہو (۲) اس کی اطاعت اخلاص کے ساتھ کی جائے (۳) اور دیگر تمام رشتوں اور ناتوں سے کٹ کر اُس کی تابعداری کی جائے۔ اسی کا نام "دین قیم" یعنی سیدھا و درست طریقہ ہے۔ جیسا کہ حسبِ ذیل آیتِ کریمہ سے ان حقائق پر روشنی پڑتی ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ : اور ان لوگوں کو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ ہی کی بندگی کریں، مخلصانہ طور پر اُسی کی اطاعت کریں اور پوری یکسوئی کے ساتھ کریں نیز نماز اور زکاۃ ادا کریں۔ یہی درست طریقہ ہے۔ (بیّنہ: ۵)

اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دور میں اپنی قوم کو جو پیغام دیا تھا اُس کے مطابق خدائی قانون کی بالادستی اور دینِ الٰہی کی حقیقت و ماہیت اور اُس کے فلسفے پر اس طرح روشنی پڑتی ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ : حکم کرنا صرف اللہ ہی کا کام ہے۔ اُس نے تاکید کی ہے کہ تم صرف اُسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا طریقہ ہے۔ (یوسف: ۴۰)

حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے تمام انبیائے کرام کا یہی پیغام اور طریقۂ کار رہا ہے کہ اہلِ ایمان ہر دور میں صرف فرمانِ خداوندی کی پیروی کریں اور اُسی کے حکموں پر چلیں۔ اسی کا نام

عبادت و بندگی ہے۔ اور اسلامی شریعت چونکہ اس دُنیا میں اللہ کی آخری شریعت ہے جو قیامت تک تمام انسانوں کے لئے بغیر کسی ترمیم و اضافہ کے قابلِ عمل قرار دی گئی ہے، لہٰذا اس کو مستقبل کی تمام ضرورریات کے تحت ہر طرح سے مکمل کر دیا گیا ہے :

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً : آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت ایک دین کے پسند فرمایا۔ (مائدہ : ۳)

اسی لئے ارشاد ہوا کہ اسلامی شریعت کی اس تکمیل کے بعد اب سوائے اسلام کے کسی دوسرے دین یا کسی دوسری شریعت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اب اسلام کے مقابلے میں سابقہ تمام شریعتیں اور کُل ادیان منسوخ قرار دیئے جاتے ہیں :

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ، وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ : اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین چاہے گا وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ (آل عمران : ۸۵)

فطرت و شریعت کی وحدت

اسلامی شریعت کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ تمام مظاہرِ کائنات کا خالق چونکہ باری تعالیٰ ہے اور اس پوری طبیعی (NATURAL) کائنات میں اُسی کا حکم اور نظام کارفرما ہے، لہٰذا شرعی اعتبار سے بھی اس عالمِ آب و گِل میں اُسی کا فرمان اور اُسی کی حکمرانی ہونی چاہئے۔ بالفاظِ دیگر جس طرح تمام اشیائے عالم ایک خلّاق و برتر ذات کے بنائے ہوئے قانونِ فطرت اور نظامِ رُبوبیت کی پابندی کر رہے ہیں، اسی طرح انسان کو بھی اپنے خالق و مالکِ حقیقی کی بالادستی اور اُس کے ضوابطِ زندگی کو تسلیم کر لینا چاہئے۔ اسی کا نام اسلام کی اصطلاح میں اقرارِ رُبوبیت ہے۔ اور اللہ کی ربوبیت کے اقرار و اعتراف کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا کے مقابلے میں اپنے آپ کو چھوٹا مان کر اس کے سامنے سرِ اطاعت خم کر دیا جائے۔ اِسی کا نام اسلام ہے (جس کے لغوی معنی اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں)۔ اس اعتبار سے

"اسلام" ایک دینِ فطرت اور سائنٹفک طریقۂ زندگی ہے۔ اور اس اعتبار سے زمین اور آسمان کے تمام مظاہر "اللہ کی اطاعت" میں لگے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ : کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی دوسرا دین تلاش کرتے ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی ہے خوشی یا ناخوشی سے سب اُسی کی تابعداری کر رہے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹائے جا رہے ہیں۔ (آل عمران: ۸۳)

یعنی تمام مظاہرِ عالم اپنے خالق و رب کے مقرر کردہ اور بگے بندھے ضوابط کے تحت رواں دواں ہیں۔ لہٰذا انسان کو بھی اسی طرح اپنے خالق و مالک کے ضوابط کی پابندی کرنی چاہئے۔ اس لحاظ سے اسلام کا مطالبہ دورِ جہالت کی نشانی یا کسی اندھی عقیدت کی یادگار نہیں، بلکہ ایک بالکل سائنٹفک اور حقیقت پسندانہ مطالبہ ہے۔ چنانچہ اُس کی اِس منطق اور فلسفے کے مُطابق اللہ کا دین وہ ہے جس کی پابندی تمام مظاہرِ فطرت کر رہے ہیں، لہٰذا انسانوں کو اس سے تنفر کیوں ہے؟ اپنے خالق و مالکِ حقیقی کا حکم ماننے اور اُس کی تابعداری کرنے میں عار کس بات کا ہے؟ کیا اللہ کے دین سے زیادہ صحیح اور سچا دین کسی اور کا ہو سکتا ہے؟ لہٰذا اس دینِ فطرت کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کو تلاش کرنے کے کیا معنی ہیں؟

اسلامی شریعت کی معقولیت

اس موقع پر یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ اسلامی شریعت دیگر تمام شرائع کی بہ نسبت حد درجہ معقول اور متوازن ہے۔ قرآن دُنیا کا وہ پہلا صحیفہ ہے جو فطری و شرعی دونوں قسم کے معاملات میں نہ صرف غور و خوض کی دعوت دیتا ہے بلکہ عقلی اعتبار سے ہر چیز کی حکمت و مصلحت تلاش کرنے پر بھی اُبھارتا ہے۔ چنانچہ وہ جگہ جگہ عقل و دانش کو معطل کر کے باپ دادا یا قومی روایات کی اندھی اور متعصبانہ تقلید کی سخت مذمت کرتا ہے۔ کیونکہ اندھی اور کورانہ تقلید نیز بے جا تعصّب ہی عقل و دانش کا گلا گھونٹنے والے اور صحیح غور و فکر کی راہ میں روڑے اٹکانے والے ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے جو لوگ یا جو قومیں مُتعصّب اور اندھی تقلید کرنے والے ہوں وہ آزادانہ طور پر غور و فکر کر ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا

آزادانہ غور و فکر کرنے اور عقل و دانش کو فروغ دینے کی اولین شرط یہ ہے کہ باپ دادا کی تقلید اور ہر قسم کے قومی و مذہبی تعصبات سے آزاد ہو کر حقیقت کی تلاش کی جائے، ورنہ اُلجھی ہوئی ڈور کا سرا کبھی ہاتھ نہیں آسکے گا۔

غرض ایسے لوگوں کو جو آزادیٔ فکر کی نعمت سے محروم ہو کر کسی چیز کی حقیقت کو سمجھنا نہیں چاہتے، قرآن مجید اپنے مخصوص انداز میں اندھوں اور بہروں کے خطاب سے نوازتا ہے، جو اس صفت میں جانوروں کی طرح ہوتے ہیں :

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ : بے شک بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے اور گونگے ہیں جو کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ (انفال : ۲۲)

اور ایسے لوگوں کو بعض مواقع پر مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے، جو سوئے ہوئے لوگوں کو جھنجوڑنے کا ایک انتہائی بلیغ اُسلوب ہے :

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ : تم مُردوں کو نہیں سُنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سُنا سکتے ہو، جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ (نمل : ۸۰)

اس اعتبار سے اسلام حد درجہ عقلی اور عقلیت پسند (RATIONALIST) مذہب ہے، دنیا کا پہلا مذہب جس نے عقلیت کا نعرہ بلند کیا اور جمود و بے عقلی کی سخت مذمت کرتے ہوئے عقلیت پسندی کو فروغ دیا۔ اور اس لحاظ سے دُنیا میں عقلیت پسندی کی جو بھی تحریکیں بلند ہوئیں وہ سب اسلام کی اسی حقیقت پسندانہ دعوت اور تبلیغ کا نتیجہ ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس جہاں میں علمی و عقلی اور حقیقت پسندانہ مزاج پیدا کرنے کا سہرا قرآن حکیم ہی کے سر بندھتا ہے، جس نے بیسیوں آیات کے ذریعہ لوگوں کے خُفتہ ذہن و فکر کو جھنجوڑ کر بیدار کیا اور انہیں صحیح راہ پر لگایا۔ لہٰذا اسلام پر کسی بھی حیثیت سے بے عقلی یا جمود اور رجعت پسندی کا الزام عائد نہیں ہوسکتا۔

بہرحال اب اس موقع پر قرآن حکیم کی چند ایسی آیات پیش کی جاتی ہیں جو نظام فطرت اور نظام شریعت سے متعلق ہیں۔ ان کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا کہ اس سلسلے میں قرآن حکیم کا طریقہ و منہاج

کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں جگہ جگہ نوعِ انسانی کو مظاہرِ عالم اور ان کے نظاموں میں غور و خوض کر کے حکمتِ تخلیق معلوم کرنے اور صانع عالم کے وجود کا پتہ لگانے کی دعوت دیتا ہے، جس نے نہایت درجہ حکمت و مصلحت کے ساتھ اس جہانِ آب و خاک کی تخلیق کی ہے اور ہر مظہرِ فطرت کے طبیعی نظام میں اپنی ربوبیت و خلاقیت کے نقوش ثبت کر دئیے ہیں۔ اور اس اعتبار سے اس مادی دُنیا کا ہر ذرہ اور صحیفۂ فطرت کا ہر ورق، اُس کی ڈالی ڈالی اور بُوٹا بُوٹا ایک خلاقِ برتر ہستی کے وجود اور اُس کی بے مثال قُدرت و کاریگری کی شہادت دے رہا ہے۔ اور یہ ہو نہیں سکتا کہ انسان کُھلے ذہن و دماغ کے ساتھ فطرت کی رعنائیوں اور خلاقِ برتر کی زبردست صنعت و کاریگری کا مُطالعہ کرے اور اُس کے سامنے نقاشِ فطرت کے حیرت انگیز نظام اور بے مثال منصوبہ بندی کا حال آشکارا نہ ہو۔ اس طرح صحیفۂ فطرت کے مُطالعہ میں عبرت و بصیرت کے بے شمار اسباق موجود ہیں، جو غور و فکر کے باعث سامنے آتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتا ہے :

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ : رات اور دن کے ہیر پھیر میں اور اُن چیزوں میں جن کو اللہ نے اجرامِ سماوی اور زمین میں پیدا کر رکھی ہیں، اُن سب میں ڈرنے والوں کے لئے یقیناً نشانیاں موجود ہیں۔ (یونس : ۶)

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ - وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ - تِلْكَ اٰيٰتُ اللَّهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِأَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللَّهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ : اور تمہاری تخلیق اور جانوروں کے (زمین پر) پھیلاؤ میں بھی یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔ اور اسی طرح دن اور رات کے ادل بدل میں۔ اور اُس بارش میں جس کو اللہ تعالیٰ بطورِ رزق آسمان سے برسا کر زمین کو اس کی موت کے بعد پھر دوبارہ (روئیدگی کے ذریعہ) زندہ کر دیتا ہے اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں عقل مندوں کے لئے (اللہ کی خلاقیت و ربوبیت کی) نشانیاں موجود ہیں۔ لہٰذا وہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد آخر

کس چیز پر ایمان لائیں گے ؟ (جاثیہ : ۴-۶)

یہ چند آیات بطور مثال پیش کی گئی ہیں، ورنہ اس باب میں بے شمار قرآنی آیات موجود ہیں جن میں اسلوب بدل بدل کر نوع انسانی کو دعوتِ فکر دی گئی ہے اور اسے غور و فکر اور عبرت پذیری پر اُبھارا گیا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر چند مظاہر فطرت کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے :

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ : یقیناً اس میں غور کرنے والوں کے لئے ایک نشانی موجود ہے۔ (نحل : ۱۱)

کہیں وہ کہتا ہے : اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ : یقیناً اس باب میں عقل والوں کے لئے چند نشانیاں (اسباق) موجود ہیں۔ (نحل : ۱۲)

اسی طرح وہ کہتا ہے : اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ : ان چیزوں میں اہلِ علم کے لئے دلائل موجود ہیں۔ (روم : ۲۲)

اس طرح مختلف اشیاء کی حکمتوں اور مصلحتوں کو دریافت کرنے کے باب میں کہیں پر "یتفکرون" (غور و خوض کرنے والے)، کہیں پر "یعقلون" (سمجھنے والے) اور کہیں پر "العالمین" (علم والے) وغیرہ الفاظ کے ذریعہ فکر، عقل اور علم کے جذبات بیدار کئے گئے ہیں۔ اسلام میں علم اور عقل کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں اس موضوع پر سیکڑوں آیات مذکور ہیں۔ انہی آیات کے نتیجے میں جدید سائنس کا آغاز ہوا اور علمی و سائنٹفک تحقیقات کا دور شروع ہوا۔ چنانچہ تاریخ سائنس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے قرونِ وسطیٰ میں شاندار علمی ترقیاں کیں اور جدید سائنس کی بنیاد ڈالی جو ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اس لحاظ سے جدید سائنس کی ترقی قرآنِ عظیم ہی کی دعوتِ فکر کا نتیجہ ہے۔

غرض اسلام نے جس طرح حکمتِ تخلیق (CREATION) کا حال معلوم کرنے کی دعوت دی ہے بالکل اسی طرح اُس نے نظامِ شریعت اور اُس کے مختلف احکام میں غور و خوض کر کے حکمتِ تشریع (LEGISLATION) کا حال آشکار کرنے کی بھی دعوت دی ہے۔ چنانچہ جس طرح اُس نے

کہا ہے کہ نظامِ کائنات میں اہلِ فکر، اہلِ دانش اور اہلِ علم کے لئے اسباق و بصائر موجود ہیں، بالکل اسی اُسلوب میں شرعی احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں کا بھی بیان ہُوا ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ بقرہ میں دیکھئے جہاں پر نکاح، طلاق، خُلع، عدت اور مہر وغیرہ چند عائلی مسائل کا تذکرہ کرنے کے بعد صاف ارشاد ہوتا ہے:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ : اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام کی وضاحت کرتا ہے، تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔ (بقرہ : ۲۴۲)

اس کا صاف مطلب یہ ہُوا کہ عقل و فکر سے کام لینے پر ان احکامِ خداوندی کی حکمت و مصلحت اور ان کی معاشرتی خُوبیاں تم پر آشکارا ہو جائیں گی۔ اس طرح اس آیت کے ذریعہ اہلِ اسلام کو سوچنے سمجھنے اور ان احکام کی خوبیاں معلوم کرنے پر اُبھارا گیا ہے۔ چونکہ یہ احکامِ شریعت خلّاقِ عالَم کی جانب سے ہیں، جس کا علم ماضی، حال اور مستقبل تمام زمانوں کا احاطہ کئے ہُوئے ہے، لہٰذا اس کے احکام کاملیت، برتری اور ابدیت کے مظہر ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ ہر دور میں نہ صرف کارآمد اور قابلِ عمل ہوتے ہیں، بلکہ ان کی حکمتوں اور مصلحتوں کے نئے نئے پہلو بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے غور و فکر کی دعوت وہی دے سکتا ہے جس کی نظر میں واقعتاً یہ تمام مصالح پہلے سے موجود رہے ہوں۔

احکامِ شریعت کے بیان میں قرآنِ حکیم کا یہ ایک عمومی اُسلوب ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی بات کو چپ چاپ مان لینے یا آنکھیں بند کر کے قبول کر لینے کی دعوت نہیں دیتا، جیسا کہ دیگر مذاہب کا خاصہ ہے۔ بلکہ وہ ہمیشہ بیدار مغزی اور اپنی آنکھیں کھلی رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ غرض اس باب کی چند مزید آیات ملاحظہ ہوں۔ شراب اور انفاق (خرچ کرنے) کے بارے میں چند ہدایات دینے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ : اسی طرح اللہ تمہارے لئے آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔ (بقرہ : ۲۱۹)

یہ آیتِ کریمہ بالکل انہی الفاظ کے ساتھ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۶۶ میں بھی وارد ہوئی ہے،

جہاں پر انفاق کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اور سورۂ نور میں جہاں پر حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے بارے میں ایک تہمت اور جھوٹے الزام کا قصہ مذکور ہے، اس میں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ بلاتحقیق کسی پر الزام یا تہمت نہیں لگانا چاہیئے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے :

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ : اور اللہ تمہارے لئے احکام کی وضاحت کرتا ہے۔ اور اللہ بڑا ہی جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (نور : ۱۸)

اسی طرح سورۂ نور ہی میں چند گھریلو مسائل کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے :

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ : اسی طرح اللہ تمہارے لئے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ (نور : ۶۱)

اسلامی شریعت کا معجزہ

اس طرح کی اور بھی متعدد مثالیں موجود ہیں، جہاں پر اہلِ اسلام کو غور و فکر کرنے اور عقل و دانش سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی ابدی اور بے عیب شریعت وہی پیش کر سکتا ہے جس کا علم محکم اور لازوال ہو، اور جس میں گردشِ لیل و نہار کے باعث کسی قسم کا تغیّر نہ ہو سکتا ہو۔ یا اُس کو انسانی علم و فلسفے کے تھپیڑے کبھی زیر و زبر نہ کر سکتے ہوں۔ حسبِ ذیل آیاتِ کریمہ میں اسی قسم کے حقائق کی طرف اشارہ دکھائی دیتا ہے :

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ :
یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں (علمی اعتبار سے) مضبوط و مستحکم کر دی گئی ہیں۔ پھر اُن کی تفصیل ایک حکمت والی اور باخبر ہستی کی جانب سے کی گئی ہے۔ (ہود : ۱)

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ :
اور ہم نے ان کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی ہے جس کی تفصیل ہم نے ایک خاص علم کے ذریعہ کر دی ہے، تاکہ وہ اہلِ ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت کا باعث بن سکے۔ (اعراف : ۵۲)

اسی بنا پر قرآن حکیم کو دلیل، حجت اور بُرہان کہا گیا ہے جو حقیقتِ واقعہ کے عین مطابق ہے :

یَاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا : اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہارے پاس ایک نُور روشن بھیج دیا ہے۔ (نساء : ۱۷۴)

حاصل یہ کہ اسلامی شریعت کی بنیاد محکم علمی وعقلی دلائل پر ہے، جو اس کے ابدی احکام میں غور وفکر کے باعث واضح ہوتے ہیں۔ خُدائی قانون چونکہ حکمتوں اور مصلحتوں سے بھرپور ہوتا ہے اس لئے یہ حکمتیں بتدریج اور زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتی ہیں۔ جیساکہ موجودہ علمی ترقی اور علوم وفنون کے دور میں قانونِ طلاق اور تعدّدِ ازدواج کی ضرورت واہمیت اور اس کی حکمت ومصلحت کا حال دن کے اُجالے کی طرح عیاں اور آشکارا ہوچکا ہے۔ چنانچہ آج متمدّن اور ترقی یافتہ قوموں تک میں طلاق کی مقبولیت عام ہوچکی ہے' جو اسلامی شریعت کی برتری اور معقولیت کا ایک ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔ اسی طرح آج تعددِ ازدواج (POLYGAMY) کی قبولیت کے لئے فضا سازگار ہوتی جارہی ہے، کیونکہ معاشرتی وتمدّنی اعتبار سے یہ ایک جائز، فطری اور معقول قانون ہے۔ اور بعض ہنگامی حالات میں معاشرے کو جنسی انارکی سے بچانے کے لئے اس کی بڑی اہمیت ہے' خصوصاً جنگوں کے بعد' جب کہ جوان عورتوں کے بیوہ ہوجانے کے بعد مردوں کا کال ہوجائے۔ لہٰذا ایک فطری اور خُدائی قانون معاشرے کی پاکیزگی اور طہارت کے لئے اس معقول اور ضروری قانون سے تغافل برت نہیں سکتا۔ ورنہ یہ خُدائی قانون کا ایک نقص شمار ہوسکتا تھا۔

لہٰذا اس سلسلے میں عیسائیوں کا طرزِ عمل اور اہلِ یورپ کا اسلام پر اعتراض بالکل غلط اور کھوکھلا ہے۔ اور اسلام پر مستشرقین کے اعتراضات سے متاثر اور مرعوب ہوکر جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی اسلام پر یہی اعتراض کرتا ہے۔ گویا کہ اسلام نے اس فطری قانون کو تسلیم کرکے کوئی بہت بڑی غلطی کردی ہے، مگر اب آہستہ آہستہ تعصّب اور اندھی عقیدت کے بادل چھٹ رہے ہیں' شبہات واعتراضات کا پردہ چاک ہورہا ہے۔ اور جن لوگوں کی عقل پر سے پردے ہٹ گئے ہیں وہ اب تعددِ ازدواج کے حق میں آواز بلند کرتے نظر آرہے ہیں۔ اس طرح اب بیسویں صدی میں جاکر اسلامی قانون کی مقبولیت کے لئے فضا

سازگار ہوتی نظر آرہی ہے۔ اور انشاء اللہ اکیسویں صدی "اسلامی شریعت کی صدی" ہوگی۔

غرض اس لحاظ سے علم اور دین یا فطرت اور شریعت میں کبھی تعارض و تضاد نہیں ہو سکتا بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مؤید اور ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرنے والے ہونگے۔ کیونکہ ان دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ یعنی دونوں من جانب اللہ ہیں۔ لہٰذا جو چیز من جانب اللہ ہو اس میں کبھی تعارض و تصادم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نظام کائنات کے مطالعہ سے جس طرح محیّر العقول طور پر ایک خلاّق اور ناظم ہستی کا وجود ثابت ہوتا ہے، بالکل اسی طرح نظامِ شریعت کے مطالعہ سے ایک حیران کُن قانون ساز ہستی کا نظارہ بھی بخوبی ہو جاتا ہے۔ اور اس اعتبار سے یہ دونوں عقلِ انسانی کو چکرا دینے والے بلکہ اس کے علم و دانش کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ ان دونوں نظاموں میں خلاقِ عالم کی بے مثال قُدرت و برتری اور حکمت و دانش کے نقوش اتنے اُونچے معیار کے ہیں کہ انسان اپنی کم علمی اور کوتاہ نگاہی کے باعث ان کا صحیح طور پر ادراک و احاطہ بھی نہیں کر سکتا۔

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ : اور یہ لوگ اُس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا کہ وہ چاہے۔ (بقرہ : ۲۵۵)

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا : وہ ان لوگوں کے آگے اور پیچھے کی تمام باتیں جانتا ہے۔ مگر یہ لوگ اس کا علمی اعتبار سے احاطہ نہیں کر سکتے۔ (طٰہٰ : ۱۱۰)

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی قوانین میں توازن اور اعتدال اس طرح رکھا گیا ہے کہ وہ ہر دور اور ہر خطہ کے لئے یکساں طور پر قابلِ عمل اور تمام طبقاتِ انسانی کے لئے موافق و سازگار رہیں اور کسی بھی دور میں ان پر عمل مشکل نہ ہو اور نہ وہ انسانی طبائع کے لئے شاق اور ناقابلِ عمل نظر آئیں۔ یہی اسلامی شریعت کا سب سے بڑا کمال اور سب سے بڑا معجزہ ہے۔

ایک حیات بخش قانون

اس اعتبار سے اسلام دینِ فطرت ہے، یعنی اُس کے تمام احکام و قوانین فطری ہیں، جن میں دیگر مذاہب کی طرح سختی و شدت اور پیچیدگی موجود نہیں ہے۔ چنانچہ اُس کے تمام احکام انتہائی درجہ

سادہ اور متوازن ہونے کے ساتھ ساتھ حد درجہ معقول، حکیمانہ اور حیات بخش بھی ہیں، جن پر عمل کر کے انسانی معاشرہ ابدی سعادتوں سے متمتع ہو سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی قانون ایک پاکیزہ اور حیات پرور قانون ہے جس کی بنیادوں پر ایک صالح اور پاکیزہ معاشرے کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ ایک ہمہ داں (سب کچھ جاننے والے) اور انتہائی دانا ہستی کی طرف سے تمام انسانوں کی بھلائی کی خاطر بھیجا ہوا قانون ہے جو نوع انسانی پر انتہا درجہ مشفق و مہربان ہے۔ اور اسی بنا پر وہ اپنے آپ کو رحمان و رحیم کہتا ہے جس کے معنی حد درجہ رحم دل کے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ایک جگہ فرماتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں اہلِ اسلام کی زندگی ہے۔ یعنی اسلامی قانون و شریعت میں مسلم معاشرے کی زندگی اور نمو حیات کا راز پوشیدہ ہے۔ گویا کہ خدا اور رسول کے احکام "زندگی" کی ضمانت و علامت ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ :

اے ایمان والو تم اللہ اور رسول کا حکم بجالاؤ، جب کہ وہ تمہیں زندگی بخش چیز کی طرف بلا رہا ہو۔ (انفال ۲۴)

علم و حکمت کا مظاہرہ

اسلامی شریعت و قانون درحقیقت حکمت و بصیرت سے بھرپور ہے، جس میں انسانی فطرت اور مختلف طبائع کا پوری طرح لحاظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں چند احکام بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ : یہ حکمت کی وہ باتیں ہیں جنہیں تیرے رب نے وحی کے ذریعہ تیرے پاس بھیجی ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۳۹)

اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب بھی یہی تھا کہ آپ لوگوں کو "کتاب اور حکمت" کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یعنی کتابِ الٰہی کے اسرار و رموز سمجھانے کے سلسلے میں آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ "حکمت" کے نام سے موسوم ہوا۔ اور یہی وہ "حکمتِ رسول" ہے جو آج ہمارے سامنے "حدیث" کی شکل میں موجود ہے، جیسا کہ حسبِ ذیل آیتِ کریمہ کے ذریعہ اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ : وہی ہے جس نے اُمی قوم میں ایک رسول انہیں میں سے بھیجا، جو انہیں اللہ کی آیتیں سناتا ہے، اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (جمعہ : ۲)

اللہ تعالیٰ شرعی احکام و مسائل بیان کرنے کے بعد عموماً اپنے آپ کو "علیم وحکیم" کہتا ہے۔ مثلاً سورۂ نور میں دیکھئے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے تین مقامات میں شرعی اُمور کا بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے :

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (آیت ۱۸)

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (آیت ۵۸)

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (آیت ۵۹)

ان تینوں آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، کیونکہ وہ علم والا اور حکمت والا ہے۔ یعنی چونکہ وہ مطلق طور پر علم اور مطلق طور پر حکمت کے اوصاف سے متصف ہے، اس لئے اس کی تمام باتیں علم وحکمت سے لبریز ہوتی ہیں۔ اب اس موقع پر شریعتِ الٰہی کے منطقی مقدمات کی ترتیب اس طرح ہو سکتی ہے :

۱۔ اللہ تعالیٰ چونکہ علیم وحکیم ہے اس لئے اس کی باتیں علم وحکمت سے بھرپور ہوتی ہیں۔

۲۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی باتیں علم وحکمت سے پُر ہوتی ہیں لہٰذا وہ اپنے رسول کے پاس جو بھی وحی بھیجتا ہے وہ علم وحکمت کا مظہر ہوتی ہے۔

۳۔ اس مبنی بر حکمت وحی کی بنیاد پر رسول کی تعلیمات بھی حکیمانہ ہوتی ہیں۔

۴۔ خُدا اور رسول کے اسی ازلی علم و دانش اور حکمت و بصیرت کا نتیجہ ہے کہ اسلامی شریعت بھی حکمت و دانائی سے بھرپور اور علم کے معیار پر پوری اُترتی ہے۔

چنانچہ یہ اسی پُر حکمت اور محکم علمی بنیاد ہی کا نتیجہ ہے کہ چودہ سو سال گزر چکنے کے باوجود اسلامی شریعت کی جِدّت و تازگی، اُس کی برتری و معقولیت اور اس کی ابدیت و عالمگیری میں کوئی

فرق نہیں آسکا ہے۔ بلکہ دن بدن اس کی اہمیت و افادیت اور اس کی مقبولیت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے اور اس کی حکمت و مصلحت کے نئے نئے پہلو سامنے آرہے ہیں، جن کی تابانی اور جلوہ سامانی سے عقلِ انسانی حیران اور دنگ ہو کر رہ گئی ہے۔

ان محکم اور ناقابلِ تغیر احکام کے وجود کا ایک اور لازمی اور منطقی تقاضا یہ بھی ہے کہ اس عالم ہست و بود میں ایک ایسی علیم و حکیم ہستی کا وجود بھی ہے جس کے علم میں کسی قسم کا ردّ و بدل نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ ان احکام کی کاملیت اور دوامیت ہی کے ملاحظہ سے ایک نکتہ رس نگاہ اس نکتہ تک ضرور پہنچ سکتی ہے کہ ایسے لازوال احکام یقیناً علم و حکمت کا نمونہ ہیں اور ان کا قانون ساز علم و حکمت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہے۔

ایک جامع اور اعجازی آیت

واقعہ یہ ہے کہ قرآنی احکام میں حکمت و دانائی کا حیرت انگیز مظاہرہ دکھائی دیتا ہے۔ اور اس حکمت و دانائی کے ساتھ ساتھ ان میں معجزانہ حد تک اختصار بھی رکھا گیا ہے اور ایسی لچک رکھی گئی ہے کہ اس کی تشریح میں دفتروں کے دفتر سیاہ کئے جاسکتے ہیں۔ اس کی ایک بہترین اور نمایاں مثال حسبِ ذیل آیتِ کریمہ ہے، جو دریا بکوزہ کا مصداق ہے۔ اور یہ ہر قسم کے انسانی حقوق اور سوشل جسٹس کی بنیاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ : اللہ (زندگی کے ہر معاملے میں) عدل اور احسان (کا مظاہرہ کرنے) اور رشتہ داروں کو نوازنے کا حکم دیتا ہے۔ اور وہ (ہر قسم کے) فحش کام، بُری بات اور زیادتی سے منع کرتا ہے۔ (نحل: ۹۰)

اس آیتِ کریمہ میں عدل سے مُراد اعتدال اور احسان سے مُراد حُسنِ سلوک ہے[۹]۔ اور یہ دونوں اُصول تمام معاملاتِ زندگی میں مطلوب ہیں۔ اور ان اخلاقی اُصولوں کو برت کر زندگی کو گل و گلزار

---

[۹] تفسیر روح المعانی: ۲۱۷/۱۴، مطبوعہ بیروت۔

بنانے اور قریبی رشتہ داروں سے لے کر ہر ایک کے ساتھ حُسنِ معاشرت قائم کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور یہ اتنا قیمتی اُصول ہے کہ اس کا اطلاق گھریلو زندگی سے لے کر پورے محلے، شہر، معاشرہ، ملک اور دیگر اقوام تک ہر ایک سطح پر ہو سکتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اس اُصولِ عدل و احسان (اعتدال اور حُسنِ سلوک) کو معاشرتی، قومی، ملکی، سیاسی اور بین الاقوامی سطح پر لاگو کرنا چاہیئے۔ ورنہ دُنیا سے مفاسد اور ناانصافیوں کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح "فحشاء" سے مراد وہ اخلاقی بُرائیاں ہیں جو شہوانی قوت کی زیادتی کے باعث ظہور میں آتی ہیں۔ "مُنکر" سے مراد وہ معاشرتی مفاسد ہیں جن کو عقل بُرا سمجھتی ہو۔ اور "بغی" سے مراد ظلم و زیادتی اور لوگوں کے حقوق غصب کرنا ہے۔[۱۰] اس طرح اس آیت میں تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اور تین چیزوں سے روکا گیا ہے۔ اور مُثبت و منفی دونوں اعتبارات سے یہ ایک ایسی جامع آیت ہے کہ منطقی لحاظ سے اس میں ہر قسم کی اخلاقی خوبیاں داخل ہو گئی ہیں جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح اس میں ہر قسم کے رذائلِ اخلاق شامل ہیں جن سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے اس میں اس قدر لچک اور جامعیت ہے کہ اس کی شرح میں پورے فلسفۂ اخلاق کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی تشنگی ہی رہے گی۔

معاشرہ کی تعمیر و تطہیر کے لئے یہ اسلام کا ایک آئیڈیل اور اُس کے اَقدارِ حیات کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اور یہ اتنا جامع اور قیمتی اُصول ہے کہ اس کی نظیر دُنیا کے دیگر مذاہب اور قوانین میں نہیں ملتی۔ غرض قرآنِ حکیم اس قسم کی جامع اور حکیمانہ آیات و احکام سے بھرا ہُوا ہے۔ اور ان میں اس قدر لچک ہے کہ وہ وقت اور زمانے کی تبدیلیوں سے ان کی اثر اندازی میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ بلکہ قانون اور فلسفۂ قانون کی ترقی کے ساتھ ساتھ احکامِ شریعت میں مزید نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ موجودہ دور میں جہاں ہر جگہ معاشرتی، اجتماعی، قومی، نسلی، مذہبی، سیاسی اور بین الاقوامی بُرائیاں پھیلی ہُوئی ہیں، ان کے استیصال کا واحد نسخہ اس آیتِ کریمہ کی تعمیل ہے۔ اور اس اعتبار سے یہ حکمِ ربّانی

---

[۱۰] دیکھئے تفسیر روح المعانی : ۲۱۸/۱۴

بلاتفریق مذہب وملّت پوری نوعِ انسانی کے لیئے نسخۂ کیمیا اور آبِ حیات کا درجہ رکھتا ہے۔
اور اس پر عمل کرکے دُنیا کے تمام انسان چین وسکون کا سانس لے سکتے ہیں۔

ازدواجی زندگی میں حُسنِ سلوک کی تاکید

اس موقع پر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہنی چاہیئے کہ مذکورۂ بالا آیت میں جن اُمور کی تلقین کی گئی ہے اُس کا اطلاق ازدواجی زندگی پر بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اس میں عدل واعتدال اور احسان و حُسنِ سلوک کی جو تعلیم دی گئی ہے وہ میاں بیوی کے تعلقات میں بھی ملحوظ رہنا چاہیئے۔ اور ان دونوں کو خانگی اُمور میں میانہ روی اور ایک دوسرے کے ساتھ بہتر سلوک کا مظاہرہ کرنا چاہیئے، اس طور پر کہ ایک دوسرے کی حق تلفی نہ ہو اور دونوں اپنے اپنے حدود اور دائرے میں رہتے ہُوئے اپنے اپنے حقوق و فرائض خوش اُسلوبی کے ساتھ ادا کرتے رہیں۔ جس کے باعث ایک خوش گوار اور مسرّت بخش زندگی کا آغاز ہوسکتا ہے۔

اسی طرح اس میں "منکر" اور ظلم وزیادتی سے روکا گیا ہے یعنی عقلی اعتبار سے جو اُمور ناپسندیدہ ہیں اُن سے ہر حال میں اجتناب کرنا چاہیئے اور کسی صورت میں زیادتی کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیئے، جس کی وجہ سے سوسائٹی میں ایسے مرد یا عورت کی پوزیشن پر اثر پڑسکتا ہو اور اُس کا وقار زائل ہوسکتا ہو۔ یہ احترام عقل اور احترام معاشرہ کی بھی ایک لطیف تلقین ہے۔ اس اعتبار سے اسلام نہ صرف حُسنِ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے بلکہ انسان کو بہتر عقلی اور معقول رویہ اختیار کرنے کی بھی دعوت دیتا ہے۔ اور اس مثال سے اسلامی تعلیمات کے مزاج اور ان کی معقولیت کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اب اسلام کے قانونِ طلاق پر اعتراض کرنے والے دیکھیں کہ اس سے بڑھ کر تہذیب وشائستگی کی تلقین کا طریقہ بھلا اور کیا ہوسکتا ہے؟ پھر بھی معترضین کا کہنا یہی ہے کہ اسلام نے بلا وجہ مرد کو حقِ طلاق دے کر عورت کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ کیا اس اعتراض میں کوئی معقولیت ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ کسی چیز کا مطالعہ اُس کے پورے نظام اور چوکھٹے کے اندر کرنا چاہیئے، جو تحقیقی مطالعے کا بنیادی اُصول ہے۔ ورنہ ہر چیز ٹیڑھی ہی ٹیڑھی نظر آنے لگے گی۔

اسلامی شریعت کے چند امتیازی خصائص

اسلامی شریعت ایک جامع اور کامل ضابطۂ حیات ہے، جس کا بنیادی مقصد اصلاحِ معاشرہ اور انسان کو انسان کی غلامی سے نکال کر خدا کی غلامی میں دینا ہے۔ بالفاظ دیگر انسان کے بنائے ہوئے ظالمانہ اور جابرانہ قوانین کے بوجھ اور اُس کے جبر و استحصال سے کراہتی ہوئی انسانیت کو آزاد کر کے خدائے رحمان کے عادلانہ اور منصفانہ قوانین کی طرف لانا ہے، جو ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک ہیں۔ اس اعتبار سے اسلامی شریعت کی بہت سی خصوصیات ہیں اور ان سب کا احاطہ مشکل ہے۔ مگر اس موقع پر صرف چند عمومی خصوصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ اسلامی شریعت کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی مخصوص دور یا مخصوص مقام یا مخصوص قوم کے لئے نہیں، بلکہ اس کا پیغام تمام ادوار اور تمام افرادِ انسانی کے لئے عام ہے، کیونکہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری نوعِ انسانی کی ہدایت و رہبری کے لئے بھیجا گیا ہے۔ جیساکہ ارشادِ باری ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعاً : کہہ دو کہ اے لوگو، میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ (اعراف: ۱۵۸)

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ : یہ قرآن سارے جہاں کے لئے ایک تذکرہ اور یاددہانی ہے۔ (ص: ۸۷)

۲۔ اسلامی شریعت خدائے رحمان کی رحمت اور بندوں پر شفقت و رحمدلی کی مظہر ہے، جس کے ذریعہ معاشرتی و تمدنی مفاسد کو دور کرنا اور معاشرہ کی مصلحتوں اور بھلائیوں کا لحاظ رکھنا ہے۔ اسی بنا پر پیغمبرِ اسلام صلعم اور قرآن مجید دونوں کو "رحمت" کہا گیا ہے۔ یعنی یہ دونوں رحمتِ الٰہی کے مظہر اور ترجمان ہیں:

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ : اور ہم نے آپ کو سارے جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (انبیاء: ۱۰۷)

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ

يُؤْمِنُوْنَ : اور ہم نے ان کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچادی ہے جسے ہم نے (اپنے خاص) علم کی بنیاد پر کھول کر بیان کر دیا ہے۔ (اور اسی بنا پر) وہ اہلِ ایمان کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ (اعراف: ۵۲)
وَ اِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ : یقیناً وہ اہلِ ایمان کے لئے ہدایت ورحمت ہے۔ (نمل: ۷۷)

چنانچہ بندوں پر رحمتِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ ان میں اخلاقی اعتبار سے خوبیاں پیدا ہوں، اور خرابیاں دُور ہوں[۱] لہٰذا خدائے رحمان کے احکام کو مبنی برحکمت ہونا چاہیئے۔

۳۔ اسلامی شریعت کی ایک اہم خصوصیت اُس کا آسان ضابطۂ حیات ہے[۲] چنانچہ اس میں اہلِ کتاب کی شریعتوں کی طرح سخت اور مشکل قوانین نہیں ہیں، جو ان کے بداعمالیوں کا نتیجہ تھے۔ بلکہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آسان دین اور آسان شریعت دے کر بھیجا گیا، جس پر عمل کرنا سب کے لئے آسان ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں رسولِ عربی صلعم کی حسب ذیل خصوصیات بیان کی گئی ہیں:

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ : وہ ان کو معروف کا حکم کرتا ہے اور منکر سے روکتا ہے، ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے، اور ان پر سے (سخت قوانین کے) وہ بوجھ اور زنجیریں اُتارتا ہے جو اُن پر (زمانۂ دراز سے) تھیں۔ (اعراف: ۱۵۷)

نیز اس کے علاوہ دیگر آیات میں صاف صاف اعلان کیا گیا کہ اسلامی شریعت کو انسانی فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے آسان بنایا جارہا ہے۔ کیونکہ اب اسے دائمی طور پر اس عالم میں اپنا پارٹ ادا کرنا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا : اللہ کسی کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ (بقرہ: ۲۸۶)

---

[۱] ماخوذ از المدخل لدراسة الشريعة الاسلامية، عبدالکریم زیدان، ص ۴۵-۴۶، بیروت، ۱۴۰۱ھ
[۲] ماخوذ از تاریخ التشریع الاسلامی، محمد الخضری، ص ۱۷-۱۸، بیروت، ۱۴۰۱ھ

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ : اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔ (بقرہ : ۱۸۵)

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا : اللہ چاہتا ہے کہ وہ تمہارا بوجھ ہلکا کر دے، کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ (نساء : ۲۸)

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ : اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا۔ (مائدہ:۶)

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ : اور اُس نے دین میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں رکھی۔ (حج : ۷۸)

۴۔ اسلامی شریعت کی ایک بہت بڑی خصوصیت غیر معقول تقلیدوں سے انکار اور انسانی معاشرے کی مکمل اصلاح ہے، جو دینی عقائد سے لے کر اجتماعی روابط تک ہر چیز کا احاطہ کئے ہُوئے ہے[۱۳]۔ اور یہ رُوح قرآن کی تمام تعلیمات میں سرایت کئے ہُوئے ہے۔ اور ان میں سے بعض اُمور پر پچھلے صفحات میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

۵۔ اسلامی شریعت ایک معتدل اور متوازن ضابطۂ حیات ہونے کی بنا پر خیر کا نمونہ ہے۔ لہٰذا وہ خیر اور بھلائی کی طرف آنے کی دعوت دیتی ہے:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ : (ہر مذہب والے) کے لئے ایک رُخ ہے جس کی طرف وہ متوجہ ہوتا ہے بگر تم بھلائیوں (والے دین) کی طرف چلو۔ (بقرہ : ۱۴۸)

۶۔ اسلامی شریعت مظہرِ حیات ہے یعنی اس میں قوم اور ملّت کی بقا و فلاح کا راز پوشیدہ ہے۔ بالفاظ دیگر جو قوم اسلامی ضابطۂ حیات پر عمل کرے گی وہ ایک زندہ قوم کی حیثیت سے دُنیا کے اسٹیج پر برقرار رہے گی۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ : اے ایمان والو تم اللہ اور رسول کا حکم بجا لاؤ، جب کہ وہ تمہیں زندگی بخش چیز کی طرف بلا رہا ہو۔ (انفال : ۲۴)

---

۱۳ المدخل الی علم اُصول الفقہ، از ڈاکٹر معروف دوالیبی

۷۔ اسلامی شریعت "معروف" (عقلی اعتبار سے قابلِ تحسین بات) کی تلقین کرتی ہے اور "منکر" (عقلی اعتبار سے امرِ ناشناس) سے بچنے کی تاکید کرتی ہے۔ چونکہ یہ بات ثابت ہے کہ شریعت کے تمام اُمور عقلی اعتبار سے معیاری اور پُر حکمت ہیں یعنی وہ محکم علمی وعقلی بنیادوں پر قائم ہیں۔ لہٰذا شریعت پر عمل درآمد ایک معقول بات ہے۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ شریعت ہر قسم کی بُرائیوں اور غیر اخلاقی وانسانیت سوز اُمور سے نوعِ انسانی کو روکتی ہے۔ لہٰذا شریعت کا کسی چیز سے روکنا بجائے خود اس کے غیر معقول ہونے کی دلیل ہے۔ اور اس اعتبار سے عقل اور دین یا فطرت اور شریعت میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ یعنی یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ ایک دوسرے کے مؤید ہیں۔ جو چیز عقلی ہے وہی حکمِ شریعت ہے، اور جو حکمِ شریعت ہے وہ عین مطابقِ عقل ہے۔

مگر یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہر چیز کی علّت وحکمت انسانی عقل میں بھی ضرور آجائے۔ کیونکہ انسانی عقل اور اُس کے حواس محدود ہیں، جیساکہ ہمیں سائنس کی دُنیا میں اس کا بخوبی تجربہ ہوچکا ہے کہ انسانی عقل مادی ذرات کی حقیقت وماہیت سمجھنے سے قاصر ہے۔ اور طبیعی وحیاتیاتی دُنیا کے بہت سے ایسے اُمور ہیں جن کی اصلیت کا کوئی علم انسان کو سرے سے حاصل ہی نہیں ہے۔ یہی حال شرعی حکمتوں اور مصلحتوں کا بھی ہے۔ نیز جس طرح عالمِ طبیعیات میں بعض حقائق کا انکشاف صدیوں بعد ہوتا ہے، اسی طرح بعض شرعی علتوں اور مصلحتوں کی حقیقت بھی صدیوں بعد آشکارا ہوتی ہے، جب کہ انسانی علم وفلسفہ کسی نئے دور میں داخل ہوجاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا کے کسی حکم کو انسانی علم ودانش عقلی ومنطقی اعتبار سے مُہمل اور ناکارہ ثابت کردیں۔ اس قسم کی کوئی مثال چودہ سو سال سے اب تک انسانی مشاہدے میں نہیں آسکی ہے اور نہ قیامت تک آسکتی ہے۔

حاصل یہ کہ شریعت کے تمام احکام "معروف" اور "منکر" کے مصداق ہیں۔ اور یہ حقیقت تورات اور انجیل کی پیشین گوئیوں کے عین مطابق ہے، جن کی رُو سے دورِ آخر میں ایک نبی اُمّی کا آنا برحق تھا جو نوعِ انسانی کو معروف (قابلِ تحسین بات) کی تلقین کرنے والا اور منکر (امرِ ناشناس) سے منع کرنے والا اور سابقہ شرائع کی بوجھل بیڑیوں سے انہیں آزاد کرنے والا قرار دیا گیا ہے، جس کی اتباع میں پوری نوعِ انسانی کی

فلاح و بہبودی ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ : وہ لوگ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی اُمّی ہے، جسے وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہُوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو معروف کا حکم کرتا ہے اور مُنکر سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے، اور اُن پر سے (سخت قوانین کے) وہ بوجھ اور زنجیریں اُتارتا ہے جو ان پر (زمانۂ دراز سے) لادی ہُوئی تھیں۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائے، اس کی حمایت کی، اُسے مدد دی اور اُس نور کے تابع ہُوئے جو اُس کے ساتھ بھیجا گیا ہے، تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (اعراف: ۱۵۷)

اسلامی شریعت کی یہی وہ امتیازی خصوصیت ہے، جس کی بنا پر اُمتِ اسلامیہ کو ایک بہترین اُمت قرار دیتے ہُوئے فرمایا گیا ہے کہ وہ نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لئے بھیجی گئی ہے۔ لہٰذا اس کا فریضہ ہے کہ وہ عالمِ انسانی کو اسلامی شریعت کی اس خصوصیت اور اُس کی خوبیوں سے روشناس کرائے، تاکہ وہ دینِ برحق کی طرف متوجہ ہو:

كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ: تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لئے بھیجی گئی ہے (کیونکہ) تم معروف کا حکم کرتے ہو اور منکر سے روکتے ہو۔ (آلِ عمران: ۱۱۰)

۸۔ اسلامی شریعت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک جامع اور کامل دستور العمل ہے، جو زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام احوال و کوائف کا احاطہ کرتا ہے۔ چنانچہ اس میں عقائد و عبادات اور اخلاقیات کے علاوہ تمدنی و اجتماعی تمام اُصول و ضوابط کا بیان موجود ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ وہ ایک ایسے

رسول (صلعم) کا پیش کیا ہوا ہے، جس نے کسی مدرسے یا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل نہیں کی، بلکہ وہ ایک امی محض تھا۔ اور اس لحاظ سے اسلامی شریعت کی کاملیت ایک معجزہ نظر آتی ہے، جو قیامت تک تمام انسانوں کے لئے ایک لمحۂ فکریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ یہ خدائی دعویٰ کہ "آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے" (مائدہ : ۳) ایک ابدی و سرمدی حقیقت کا حامل ہے، جس کو انسانی عقل و دانش کبھی للکار نہیں سکتے۔ بلکہ وہ بجائے خود عقلِ انسانی کو مبہوت و ششدر کر دینے کے لئے کافی ہے۔

۹۔ اسلامی شریعت کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ اُس کے احکام میں اس قدر جامعیت اور لچک رکھی گئی ہے کہ وہ ہر دور میں پیش آنے والے نئے نئے مسائل کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ اور اس بنا پر وہ کسی دوسری شریعت یا کسی دوسرے قانون کی محتاج نہیں رہے گی۔ اسی بنا پر علمائے اسلام کو نئے پیش آنے والے مسائل کا حل نکالنے کے لئے قیاس و اجتہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ یعنی اسلامی شریعت میں ایسے بنیادی اُصول و کُلیات مذکور ہیں کہ ان کی رُوح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مجتہدینِ اُمت ہر دور میں نئے نئے معاشرتی و تمدنی مسائل و مشکلات کا حل نکال سکتے ہیں۔ مگر انہیں خُدا کی حلال کردہ کسی چیز کو حرام کرنے یا اُس کی حرام کردہ کسی چیز کو حلال کرنے کا مطلق اختیار نہیں ہے۔ بلکہ ایسا اختیار تو خود رسول کو بھی حاصل نہیں تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ صاف صاف فرماتا ہے :

قُلْ مَا يَكُونُ لِيْ أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِيْ ۚ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ : (اے محمد، تو کہہ دے کہ یہ میرا کام نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو صرف اُسی بات کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بطور وحی بھیجی جاتی ہے۔ (یونس : ۱۵)

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ایک مجتہد اجتہاد تو کر سکتا ہے، مگر وہ خُدا کی شریعت کو بدل نہیں سکتا۔ یہود و نصاریٰ نے چونکہ اس کا ارتکاب کیا تھا تو اسلام نے اس کی سخت مذمت کی اور اس فعل کو خُدا کی خُدائی میں شرک قرار دیا، جو شرعی لحاظ سے ایک سنگین جرم ہے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے قرآن میں کہا گیا ہے :

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ : (اہلِ کتاب نے) اللہ کے

سوا اپنے عالموں اور پیروں کو بھی خدا بنالیا تھا۔ (توبہ : ۳۱)

اس کی تفسیر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان کی ہے کہ اہلِ کتاب نے اپنے علماء و مشائخ کو کبھی اپنا معبود قرار نہیں دیا تھا' بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جب وہ اُن کے لئے کسی چیز کو حلال کہہ دیتے تو یہ اس کو حلال سمجھ لیتے، اور جب وہ کسی چیز کو حرام کہہ دیتے تو وہ (آنکھیں بند کرکے) اس کو حرام سمجھ لیتے۔[۱۳]

اس اعتبار سے شریعت کے معاملات اور اُس کے ضوابط میں کسی کی مطلق تابعداری' یا اُس میں کسی کو قانون سازی کا مطلق اختیار دینا بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ اور ایسا مُطلق یا غیر مشروط اختیار کسی انسان یا کسی عالم و مجتہد کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ اب رہا شریعت کے نصوص اور اُس کی رُوح کو پیش نظر رکھ کر قیاس و اجتہاد کرنا اور نئے مسائل کا حکم معلوم کرنا تو خود شریعت ہی نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ اس سلسلے میں حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ہدایت دی تھی۔ اس کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ جب قرآن اور حدیث کسی معاملے میں خاموش نظر آئیں تو اس صورت میں قیاس و اجتہاد کرنا ضروری ہے۔[۱۴]

حاصل یہ کہ جہاں تک اجتہاد کا تعلق ہے وہ نہ صرف جائز و مُباح ہے بلکہ ضروری بھی ہے۔ اور جہاں تک خُدا کے احکام کو بدلنے کا تعلق ہے تو یہ سخت ناجائز اور حرام ہے' جو شرک ہی کا ایک روپ ہے۔ کیونکہ اس کا استحقاق صرف اُسی ایک ہستی کے لئے ہے جو سارے جہاں کا رب اور الٰہ ہے۔ لہٰذا جو لوگ خُدا کے احکام کو بدلنا چاہتے ہیں وہ گویا کہ خود خُدا بننا یا خُدائی کے مرتبے پر فائز ہونا چاہتے ہیں۔ اور یہ بات خُدا کی ربوبیت اور اُلوہیت کو چیلنج کرنے کے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص خُدا نہیں بن سکتا وہ مُطلق طور پر حکم بھی نہیں چلا سکتا۔ کیونکہ حکم چلانے کے لئے پہلے خُدا بننا ضروری ہے۔ یہی وہ بنیادی حقیقت ہے جو حسبِ ذیل آیات میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے :

---

[۱۳] ترمذی' طبرانی اور بیہقی وغیرہ، منقول از تفسیر درمنثور' علامہ سیوطی : ۳/ ۲۳۰ - ۲۳۱

[۱۴] تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب ہذا کا باب اول۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ : ہاں دیکھو پیدا کرنا اور حکم چلانا اُسی کا کام ہے ۔ اللہ بڑی خوبیوں والا ہے جو سارے جہان کا رب ہے ۔ (اعراف : ۵۴)

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ : حکم کرنا صرف اللہ ہی کو زیب دیتا ہے ۔ اُسی نے ہدایت کی ہے کہ تم صرف اُسی کی بندگی کرو ۔ یہی سیدھا طریقہ ہے ۔ لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ۔ (یوسف : ۴۰)

عائلی قوانین کا تعلق دین و شریعت سے

بعض لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ معاشرتی اُمور یا عائلی قوانین (جس کو پرسنل لا بھی کہا جاتا ہے) کا تعلق دین و شریعت سے نہیں ہے ۔ بلکہ یہ وہ اُمور ہیں جو ہر دور میں حالات و زمانے کی رعایت کے تحت بدلتے رہتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے سوا دیگر مذاہب میں اس قسم کی تبدیلیوں کو بُرا نہیں سمجھا جاتا ۔ چنانچہ عیسائیوں اور ہندوؤں کا سول کوڈ (CIVIL CODE) ہمیشہ بدلتا رہا ہے ۔ یہ بات ثابت ہے کہ عیسائیوں کا پرسنل لا تیسری صدی عیسوی سے لے کر چودھویں صدی عیسوی تک بتدریج تشکیل و ترقی پاتا رہا ہے ۔ کیونکہ بائبل کے احکام اس سلسلے میں بالکل ناکافی تھے ۔ اور ان کے یہاں اس قسم کی تبدیلی کا سلسلہ آج بھی جاری ہے ۔ اور اس سلسلے میں دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ عیسائی لوگ رومن لا کے ساتھ ساتھ خود اسلامی قانون سے بھی برابر اخذ و استفادہ کرتے رہے ہیں[۱۵] ۔ خود ہندو قانون بھی طلاق اور وراثت وغیرہ اُمور میں اسلامی شریعت سے متاثر نظر آتا ہے ۔ اور خاص کر ۱۹۵۵ء میں ہندو قانون (HINDU CODE) میں جو متعدد تبدیلیاں ہوئیں وہ تقریباً سب اسلامی شریعت اور اُس کے عائلی قوانین (پرسنل لا) ہی سے ماخوذ ہیں ۔ اس موضوع پر مزید تفصیل انشاء اللہ پھر کبھی پیش کی جائے گی ۔

اب یہ بات بالکل صاف ہے کہ غیر مسلم حضرات کے نزدیک چونکہ معاشرتی مسائل و معاملات کا دین و مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا' اس لئے وہ شادی بیاہ اور طلاق وغیرہ کے مسائل میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کو عیب نہیں سمجھتے ۔ لہٰذا شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مسلمان کیوں اس قسم کی تبدیلیوں سے

---

[۱۵] ملاحظہ ہو عبداللہ مراغی کی کتاب الزواج والطلاق فی جمیع الادیان' ص ۲۵۳' مصر' ۱۹۶۶ء

ناراض ہوتے ہیں! تو اب ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلامی شریعت ہندو قانون، اور عیسائی قانون وغیرہ کی طرح ناقص یا نامکمل نہیں ہے، بلکہ انسانی زندگی کے چھوٹے بڑے تمام معاملات کا احاطہ کرتی ہے۔ کیونکہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، نہ کہ محض چند عقائد و نظریات یا بے جان قسم کے رسم و رواج کا مجموعہ۔ چنانچہ اسلام جس طرح عقائد و عبادات کے باب میں واضح ہدایات دیتا ہے، اسی طرح عائلی و معاشرتی تمام معاملاتِ زندگی میں بھی واضح احکام پیش کرتا ہے۔ قرآن اور حدیث میں پیدائش سے لے کر موت تک تمام چھوٹے بڑے معاملاتِ زندگی کا احاطہ کیا گیا ہے، جو اسلام کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ حتیٰ کہ اسلامی شریعت میں کھانے پینے اور حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے کے آداب بھی موجود ہیں۔ اس اعتبار سے اسلامی شریعت کا مزاج دیگر قوانین اور شریعتوں سے یکسر مختلف ہے۔

غرض اسلامی شریعت چار قسم کے احکام کے مجموعے کا نام ہے جو یہ ہیں: اعتقادات، عبادات، معاملات اور اخلاقیات۔ یہ اسلامی شریعت کے چار شعبے ہیں جو ایک مکمل نظام کے حامل ہیں۔ عائلی یا معاشرتی امور (پرسنل لا) کا تعلق "معاملات" سے ہے۔ اور معاملات کا تعلق پوری نوع انسانی کے باہمی روابط سے ہے۔ اور اس باب میں قرآن اور حدیث میں واضح ہدایات دیتے ہوئے اہلِ اسلام کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ ان احکام و ہدایات کی پابندی کریں اور کسی بھی صورت میں خدا کی نافرمانی نہ کریں۔ چنانچہ اس سلسلے میں پہلے چند عمومی آیتیں اور پھر چند خصوصی آیتیں (جن کا تعلق خود عائلی قوانین یا پرسنل لا سے ہے) پیش کی جاتی ہیں، تاکہ اس بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں وہ دور ہوں اور حقیقت پوری طرح نکھر کر سامنے آجائے۔ حسب ذیل آیتِ کریمہ ابھی اوپر گزر چکی ہے:

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ .... حکم کرنا صرف اللہ ہی کا کام ہے۔ اُس نے ہدایت کی ہے کہ تم صرف اُسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا طریقہ ہے۔ (یوسف: ۴۰)

یہ حکم اسلام کے مذکورۂ بالا چاروں شعبوں (عقائد و عبادات اور معاملات و اخلاقیات) پر حاوی ہے۔ اور ایک مسلمان کے لئے حکم خداوندی یہ ہے کہ وہ تمام معاملاتِ زندگی میں صرف اُسی کی فرمانبرداری کرے۔ اور ایک دوسری آیت کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ وہ اختلافی اُمور میں خدا کی شریعت یا اُس کے

قانون کے مطابق فیصلہ کرے اور گمراہ و بے دین لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرے، جیسا کہ ارشاد ہے:

وَاَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ : اور تو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کر اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی مت کر۔ (مائدہ : ۴۹)

اس لحاظ سے اللہ کے نزدیک اسلام کے سوا دوسرا کوئی بھی دین ناپسندیدہ اور ناقابلِ قبول ہے، جس کی خلاف ورزی مستوجب سزا ہوگی:

وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡهُ ۚ وَهُوَ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ : اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین پسند کرے گا تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا' بلکہ وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والا ہوگا۔ (آل عمران : ۸۵)

اب آخر میں چند ایسی آیات پیش کی جاتی ہیں جن کا تعلق خاص کر عائلی قوانین یا پرسنل لا سے ہے۔ ان آیات کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا کہ اسلام میں گھریلو مسائل و معاملات کا تعلق بھی دین و شریعت سے اسی قدر گہرا ہے جس طرح دیگر معاملاتِ زندگی کا تعلق ہو سکتا ہے۔ اور اس اعتبار سے ایک مسلمان کی زندگی کا چھوٹا بڑا کوئی بھی معاملہ دین و شریعت کے دائرے سے باہر نہیں ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیات ۲۲۱ سے ۲۴۲ میں مختلف معاشرتی امور کا تفصیلی بیان موجود ہے، جو نکاح، طلاق، عدت، مہر، رضاعت، نسب اور کفالت وغیرہ سے متعلق ہے۔ اور ان احکام و ہدایات کے دوران جگہ جگہ اہلِ اسلام کو تاکید و تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ حدودِ الٰہی کا پاس و لحاظ کریں اور اللہ کی مقرر کردہ حدوں کو کسی حال میں نہ توڑیں' ورنہ وہ ظالم، ناحق کوش اور گنہگار ہوں گے۔ دیکھئے یہ باتیں کتنی سختی کے ساتھ اور دوٹوک انداز میں بیان کی گئی ہیں:

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا ۚ وَمَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ : یہ اللہ کی حدیں ہیں' تو تم ان سے تجاوز مت کرو۔ اور جو لوگ اللہ کی قائم کردہ حدوں سے تجاوز کریں گے تو وہی ظالم ہوں گے۔ (بقرہ : ۲۲۹)

وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ یُبَیِّنُهَا لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ : اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جن کو وہ اہلِ علم کے لئے کھول کر بیان کرتا ہے۔ (بقرہ : ۲۳۰)

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ : (طلاق شدہ عورتوں کے بارے میں) جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنے اُوپر ظلم کرے گا۔ (لہٰذا) تم اللہ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ۔ اللہ کے احسان کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کیا ہے اور وہ چیز جو اُس نے تم پر کتاب و حکمت کی شکل میں نازل کی ہے تاکہ اس کے ذریعہ تمہیں نصیحت کرے۔ اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

(بقرہ : ۲۳۱)

اس آیتِ کریمہ کے ذریعہ اس ابدی حقیقت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ عائلی قوانین بھی اسی طرح خُداوندِ کریم کے نازل کردہ جس طرح کہ دیگر دینی احکام۔ جیساکہ اس موقع پر "وما انزل علیکم ...." کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں۔ اسی طرح سورۂ طلاق میں طلاق، عدت اور نفقہ کے بعض احکام بیان کرنے کے بعد صاف انداز میں فرمایا گیا "ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ" (یہ اللہ کا حکم ہے جو اُس نے تمہارے پاس بھیجا ہے)۔ اس کا واضح مطلب یہ ہُوا کہ شریعتِ مطہّرہ کے وہ سارے قوانین جو عائلی نظام یا پرسنل لا سے متعلق ہیں وہ سب کے سب خُدا کے نازل کردہ احکام و قوانین ہیں، جن میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

پھر ایک دوسری حیثیت سے دیکھئے تو نظر آئے گا کہ اُوپر جو آیات مذکور ہیں ان میں اگرچہ ذرا سخت لہجہ اختیار کیا گیا ہے، جو عائلی نظام کو درست رکھنے اور لوگوں کو خود غرضی سے روکنے کے لئے ضروری بھی ہے۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر لوگ عموماً جذباتی بن کر بے اعتدالیوں کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ مگر ایسی سختی کے موقع پر بھی قرآن حکیم کا اسلوب دیکھئے کہ وہ اپنے مخصوص عقلی و علمی اندازِ بیان کو نظر انداز نہیں کرتا۔ بلکہ ایسے موقعوں پر بھی وہ علم و حکمت کا واسطہ دیتا ہے کہ اللہ کے مقرر کردہ ان عائلی ضوابط (FAMILY LAW) میں بھی اہلِ علم کے لئے علمی و عقلی اعتبار سے اسباق و بصائر ملیں گے، جیساکہ آیت نمبر ۲۳۰ میں کہا گیا ہے۔ اور آیت نمبر ۲۳۱ میں اللہ کے نازل کردہ قوانین کو حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا کہ اللہ کے نازل کردہ احکام و قوانین علم اور حکمت سے بھرپور ہیں۔

حاصل یہ کہ عائلی قوانین (پرسنل لا) کا تعلق دین و شریعت سے بہت گہرا ہے۔ اور اسلامی شریعت چھوٹے بڑے تمام معاملاتِ زندگی کا احاطہ کرتی ہے، جو اللہ کے نازل کردہ احکام و قوانین کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا مسلم پرسنل لا کو دین و شریعت سے جُدا سمجھنا مسلمانوں کے دین سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

یہ چند حقائق و بصائر ہیں جن کے ملاحظہ سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ خُدا کی شریعت، اُس کے احکام اور اُس کی باتوں میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ : اور تیرے رب کا کلام سچائی اور اعتدال کے لحاظ سے پُورا ہُوا۔ اُس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ اور وہی (سب کچھ) سننے اور جاننے والا ہے۔ (انعام : ۱۱۵)

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ : یہ قرآن عام لوگوں کے لئے بصیرتوں سے بھرپور ہے اور یقین کرنے والوں کے لئے ہدایت و رحمت کا باعث۔ (جاثیہ : ۲۰)

مسلمانوں پر ایک نامعقول الزام

اُوپر کے مباحث سے پوری طرح واضح ہو گیا کہ اسلام اور اُس کی شریعت نہایت درجہ معقول اور حکیمانہ بنیادوں پر قائم ہیں، اور ان میں بے عقلی یا دقیانوسیت کی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ اس کے تمام احکام علم و عقل کی روشنی میں دن بدن نکھر کر سامنے آ رہے ہیں، اور ان کی اہمیت و افادیت کی بنا پر اب ترقی یافتہ قومیں تک انہیں اپنانے پر خود کو مجبور پا رہی ہیں[۱۹] لہٰذا اسلامی شریعت کو فرسودہ یا آؤٹ آف ڈیٹ یا رجعت پسندی کی علامت قرار دینا اسلامی شریعت سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ تعجب ہے کہ اسلام کے جو احکام خوبیوں سے بھرپور اور ہر دور کے لئے مفید اور کارآمد ہوں، انہیں محض قومی یا مذہبی تعصب اور پروپگنڈے کے زور پر ناکارہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر جہاں تک دلیل اور استدلال کا تعلق ہے اس قسم کے لوگ بالکل تہی مایہ ہیں۔ اسلامی احکام و مسائل پر گفتگو علم و عقل کی روشنی میں اور مثبت بنیادوں پر ہونی چاہیئے۔ نہ کہ منفی بنیادوں پر اور جھوٹے الزامات عائد کر کے۔ قرآنِ مجید چونکہ

---

[۱۹] اس موضوع پر کچھ روشنی پچھلے باب میں ڈالی جا چکی ہے۔

سراپا دلیل و برہان ہے، اس لئے وہ دلیل واستدلال کے مختلف طریقوں سے کام لیتا ہے اور ایسے لوگوں سے علمی و عقلی دلائل طلب کرتا ہے۔ اور جو لوگ بغیر کسی علمی و عقلی دلیل کے کسی مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتے ہوں اُن کی سخت مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ایسے لوگ محض تکبر کی بنا پر ایسا کرتے ہیں، اور ایسے لوگوں کے دل "نامختون" یا "مہر شدہ" ہیں۔ کیونکہ قبولِ حق سے مسلسل اعراض و انکار کے باعث ان کے دلوں پر خود بخود مہر لگ گئی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ : جو لوگ اللہ کی آیتوں میں کسی ایسی دلیل کے بغیر جھگڑتے ہیں جو اُن کے پاس پہنچی ہو، تو یہ اللہ اور اہلِ ایمان کے نزدیک بڑی نازیبا حرکت ہے۔ اللہ اسی طرح ہر تکبر کرنے والے سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔ (مؤمن : ۳۵)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ : جو لوگ اللہ کی آیات (احکام و دلائل) میں بغیر کسی دلیل کے جو اُن کے پاس (علمی و عقلی ذریعہ سے) پہنچی ہو (خواہ مخواہ) جھگڑنے لگ جاتے ہیں، تو ان کے دلوں میں یقیناً جذبۂ برائی کے اور کچھ نہیں ہے، جس کو وہ (علمی اعتبار سے کسی بھی طرح) پا نہیں سکتے (بلکہ اُن کے منصوبے خاک میں مل جائیں گے)۔ لہٰذا تو اللہ سے پناہ مانگ۔ وہی سُننے اور دیکھنے والا ہے۔ (مؤمن : ۵۶)

اس کا صاف مطلب یہ ہُوا کہ خُدا کے احکام اور اس کی باتوں کو کسی بھی دور میں صحیح علمی و عقلی استدلال کے ذریعہ چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ نوعِ انسانی اور اس کے علم و عقل کو جھنجوڑنے کا اس سے بڑا اور اچھوتا اسلوب ہو ہی نہیں سکتا۔ پچھلے صفحات میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ وہ صحیفہ قرآن حکیم ہی ہے جو اس جہانِ آب و خاک کی ہر چیز میں حکمتِ تخلیق دریافت کرنے پر اُبھارتا ہے۔ جس طرح کہ شرعی احکام و اوامر کی حکمتوں اور مصلحتوں کا کھوج لگانے پر بھی زور دیتا ہے۔ چنانچہ اب اس موقع پر کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی آیات (یعنی نظامِ فطرت کے دلائل اور نظامِ شریعت کے احکام) میں جھگڑنے والوں کے پاس

سرے سے کوئی دلیل و حجت موجود نہیں ہے (سوائے بعض منفی قسم کے شبہات و اعتراضات کے)۔ تو یہ نوعِ انسانی کے لئے درحقیقت ایک چیلنج ہے کہ وہ اپنے "علمی و عقلی دلائل" لے کر اس میدان میں آئیں اور خُدا کی باتوں کو صحیح منطقی استدلال کی بنا پر غلط ثابت کر دکھائیں۔ مگر قرآنِ عظیم کا دعویٰ ہے کہ قیامت تک خُدا کی بات ہی صحیح رہے گی اور اسی کی حجت غالب رہے گی :

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ : کہہ دو کہ اللہ ہی کی حجت غالب رہے گی۔ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ (انعام : ۱۴۹)

اس آیت میں اللہ کی اس مشیّت اور اُس کے ایک ابدی قانون پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ اللہ کا کام تو محض دلائل و براہین کے ذریعہ اتمامِ حجت کر دینا ہے، نہ کہ سب کو زبردستی ہدایت دے دینا۔ ظاہر ہے کہ اگر زبردستی ہدایت دے دینا مقصود ہوتا تو پھر دلیل و استدلال کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی۔ اور ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہے کہ جو لوگ استدلال کے میدان میں مغلوب ہو جانے کے باوجود محض ہٹ دھرمی کی وجہ سے جھگڑنے لگتے ہیں تو ایسے لوگوں کی منطق باطل ہے، اور ایسے لوگ خُدا کے غضب کے مستحق ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ يُحَاجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ : اور جو لوگ اللہ کے (دین و شریعت کے) بارے میں جھگڑتے ہیں، جب کہ لوگ اس کو (پہلے ہی دلائل کی بنا پر) مان چکے ہوں، تو ان کی حجت اُن کے رب کے ہاں باطل ہے۔ اور ان کے لئے غضبِ الٰہی اور سخت عذاب ہوگا۔ (شوریٰ : ۱۶)

ان تمام ملاحظات سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ اسلام اور اسلامی شریعت حد درجہ معقول ہیں جو علم و عقل کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں اور اُن کے دین و شریعت پر کسی بھی حیثیت سے رجعت پسندی کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس قسم کے الزامات حقیقتِ واقعہ سے بہت دُور ہیں۔ اور آجکل ان مسلمانوں پر جو مذہب پر عمل کرتے ہیں ایک نئی پھبتی "بنیاد پرستی" (FUNDAMENTALISM) کے نام سے کسی جاتی ہے۔ معلوم نہیں اس اصطلاح کا کیا مطلب ہے؟ کیونکہ یہ اصطلاح استعمال کرنے والے

اس کا مطلب نہیں بتاتے۔ آجکل اخبارات میں یہ اصطلاح بکثرت استعمال ہونے لگی ہے اور سیاستدانوں کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے جو بلا سوچے سمجھے محض اپنے دل کا بخار نکالنے کی غرض سے اس کا بے تحاشہ استعمال کرنے لگے ہیں۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ کسی مذہب کے ماننے والے اپنے مذہب کے بنیادی اُصولوں پر زور دیتے ہیں اور اُس کی تلقین کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس قسم کی تلقین میں کوئی بُرائی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ دستوری اعتبار سے ہر مذہب والوں کو اپنے مذہب کا پرچار کرنے کا حق ہے۔ ہاں اگر اس سے کسی دوسرے مذہب یا فرقے کے ساتھ عداوت اور دشمنی کا پرچار ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ اس اعتبار سے اگر بنیاد پرستی کا مطلب مذہب پسندی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ایک اچھی چیز ہے، اور اس میں سیکولرزم کے ساتھ کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔

مگر آجکل "بنیاد پرستی" اور اسی طرح "ظلمت پسندی" وغیرہ کا استعمال اس طرح کیا جارہا ہے گویا کہ مذہب پسندوں کو کوئی گالی دینا مقصود ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ ایک اوچھا طریقہ ہے جو "ترقی پسندی" کے دعویداروں کو زیب نہیں دیتا۔ بلکہ یہ بالکل ایسی ہی حرکت ہے جیسے کسی راہ چلتے ہوئے شریف آدمی کے سر پر بلا وجہ ایک چپت رسید کردی جائے۔ اسی طرح آجکل مذہب پسندی کو ترقی پسندی کی ضد سمجھا جاتا ہے جو ایک غیر واقعی بات ہے۔ کیونکہ مذہب کو ماننے والے بھی ترقی پسند ہوسکتے ہیں۔ اور دوسری طرف یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جو لوگ مذہب کو نہیں مانتے وہ لازمی طور پر ترقی پسند ہی ہوں۔

اصل بات یہ ہے کہ:

"بدقسمتی سے کچھ لوگ مذہب کے ڈسپلن اور اخلاقی اُصولوں کو اپنے لئے زحمت کا باعث سمجھتے ہیں۔ اور ان اُصولوں اور اس ڈسپلن کی خلاف ورزی کو جائز ٹھہرانے کے لئے اپنے کو ترقی پسند اور ان اُصولوں کی پابندی کرنے والوں کو ظلمت پسند کہنے لگتے ہیں۔ جس سیکولرزم کے نام پر مذہب کے تحفظ کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اسی سیکولرزم کے نام پر مذہب سے انحراف بھی کیا جاسکتا ہے۔ مگر اس انحراف کو ترقی پسندی کہنا اس اصطلاح کا مذاق اُڑانے کے مترادف ہے۔" (ایک اقتباس)

(۴)

اجتہاد اور اُس کے نئے آفاق

پندرھویں صدی کی ایک تجدیدی ضرورت

شریعت اور فقہ کا تعلق

اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک کامل اور ابدی مذہب ہے۔ اور اُس کی شریعت نہ صرف سارے جہاں کے لئے بلکہ تمام زمانوں کے لئے بھی خُدائی قانون ہے۔ تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلامی قانون میں قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل کا احاطہ کر دیا گیا ہے؟ تو اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ اسلامی شریعت یا قانون میں تمام مسائل کا احاطہ لفظاً تو نہیں البتہ معنوی طور پر ضرور ہے۔ یعنی اُصولی اعتبار سے اس میں سارے مسائل کا حل ضرور موجود ہے۔ اسلامی شریعت میں چند ایسے اُصولی احکام و قواعد موجود ہیں جن پر قیاس کر کے ہر دور میں اُن کے منشاء و مفہوم کے مطابق نئے نئے مسائل کا حل معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی کا نام قیاس و اجتہاد ہے۔

دورِ قدیم میں علماء و فقہاء نے اس سلسلے میں اقدام کر کے ایک عظیم الشان ذخیرہ ہمارے لئے تیار کر دیا ہے، جو ہمارے لئے ایک بہترین مثال اور رہنما کا کام دے سکتا ہے۔ فقہائے کرام کا

تیار کردہ یہ ذخیرہ آج ہمارے سامنے "فِقہ"[1] اور "اُصولِ فقہ"[2] کے عظیم الشان دفتروں کی شکل میں موجود ہے۔ اور یہ سارا ذخیرہ دراصل قرآن اور حدیث کے اُصولی احکام یا اُن کے "نُصوص" (واضح اور صریح بیانات) کی روشنی میں مرتب کردہ ہے' جو ہمارے لئے ایک "نظیر" یا RULING کا کام دے سکتے ہیں۔ اور اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے چھوٹی عدالتیں کسی بھی فیصلے کے سلسلے میں اپنے سے اُوپر والی عدالتوں یعنی سپریم کورٹ اور پھر ہائی کورٹ کے فیصلوں کی پابند ہوتی ہیں۔ اور ان کے فیصلوں (RULINGS) کو بطورِ نظیر اختیار کرتی ہیں۔ اس اعتبار سے کسی ملک کے دستورِ اساسی کے ابہامات و اجمالات کی تشریح و توضیح کا سب سے پہلا حق سپریم کورٹ کو ہوتا ہے، پھر اس کے بعد ہائی کورٹ کو۔ اور اس قسم کی تمام تشریحات اور فیصلے ماتحت عدالتوں کے لئے قابلِ حجت ہوتے ہیں۔

یہی حال اسلامی شریعت کا بھی ہے۔ اگر اسلامی شریعت کو ایک بنیادی دستور (CONSTITUTION) تسلیم کر لیا جائے تو اس کے ابہام و اجمال کو دُور کرنے کے سلسلے میں صحابۂ کرام اور ائمہ دین کی تشریحات اور اُن کے وضع کردہ اُصول و قواعد بھی بعد والوں کے لئے ٹھیک اسی طرح نظیر یا "رُولنگ" کے مرتبے پر فائز نظر آتے ہیں' جنہیں نہ تو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ ان سے مستغنی ہو کر قیاس و اجتہاد ہی کیا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اول تو قرآن مجید کے ابہام و اجمال کو حدیثِ رسول کی مدد کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ پھر قرآن اور حدیث (جو کہ شریعت کا اصل مدار ہیں) کے اجمالات و ابہامات کو صحابۂ کرام اور ائمہ و مجتہدین کی تشریح و توضیح اور اُن کے اُصول و قواعد کے بغیر سمجھنا سخت مشکل ہے۔ لہٰذا

---

[1] "فِقہ" کے لغوی معنی فہم یا سمجھ بُوجھ کے ہیں۔ اور اُس کے عُرفی معنی دین کی سمجھ بُوجھ کے ہیں۔ جب کہ اصطلاح میں اس کا اطلاق اُن احکام و قوانین پر ہوتا ہے جن کو فقہاء نے قرآن اور حدیث سے مستنبط کر کے مرتب کیا ہو، یعنی "مجموعۂ قوانین" یا "احکامِ شریعت کا علم"۔

[2] اس سے مراد وہ اُصول ہیں جن کی بنیاد پر فقہ مرتب کی جاتی ہے۔

آجکل بعض نام نہاد دانشوروں اور خود ساختہ فقیہوں کی طرف سے فقہائے کرام پر خواہ مخواہ اعتراضات کرنا اور اُن پر کیچڑ اُچھالنا اسلامی شریعت کے خلاف ایک سوچی سمجھی سازش معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ فقہائے کرام پر بے جا اعتراضات کرکے نہ صرف ان کی عظیم کوششوں اور کاوشوں پر پانی پھیر دیا جائے بلکہ عوام کو پورے فقۂ اسلامی (ISLAMIC LAW) سے بدظن کر دیا جائے، تاکہ وہ من مانی طور پر قرآن کی تشریح کرسکیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن کی آزادانہ تفسیر کی راہ میں مذکورۂ بالا تشریحات و تفصیلات سخت "رکاوٹ" کا باعث ہیں۔ لہٰذا اس سب سے بڑی رکاوٹ کو دُور کرنے کے لئے وہ مختلف حربے استعمال کرتے ہیں۔

حالانکہ واقعہ کے لحاظ سے تو ہمیں فقہائے کرام کا ممنون اور احسان مند ہونا چاہیئے کہ اُنہوں نے اس سلسلے میں نہایت درجہ عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ ایسے اُصول مرتب کر دیئے جو ہمارے لئے ایک رہنما اور گائیڈ کا کام دے سکتے ہیں۔ اور ہم ان اُصولوں کی روشنی میں نہ صرف یہ کہ قرآن اور حدیث کی حکمتوں اور مصلحتوں کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں بلکہ نئے نئے مسائل کا حل بھی دریافت کرسکتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے یہ دو اہم ترین مقاصد ہیں جو ہمیں فقۂ اسلامی اور اُن کے اُصولوں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

قیاس و اجتہاد مذموم کب ہوتا ہے؟

اس سلسلے میں یہ حقیقت یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن اور حدیث ہی اسلامی شریعت کی اصل بنیاد ہیں، جن میں کسی قسم کی تبدیلی خارج از بحث ہے۔ کیونکہ قرآن اور حدیث کے نُصوص بذاتِ خود مکمل ہیں۔ لہٰذا ان میں قیاس و اجتہاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ نصوص کی موجودگی میں قیاس و اجتہاد بجائے خود باطل قرار پاتا ہے[۳]

چنانچہ اس کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے تو اس نے اپنے غلط قیاس کے ذریعہ یہ استدلال کرنا چاہا کہ آدم چونکہ

---

[۳] ملاحظہ ہو اعلام المُوقّعین، از علامہ ابن قیم، ۳۹۱/۱، مطبوعہ قاہرہ۔

مٹی سے بنایا گیا ہے اور میں آگ سے بنایا گیا ہوں، لہٰذا میرا مقام و مرتبہ آدم سے اونچا اور بالاتر ہے تو میں اس کو سجدہ کیوں کروں؟ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے استدلال (ARGUMENT) کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ اس کو صاف صاف مردود اور لعنتی ٹھہرا دیا۔ کیونکہ اُس نے خدائی حکم ماننے سے محض اپنے غلط قیاس کی بنا پر انکار کر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ خدائی حکم کے مقابلے میں قیاس کام نہیں دے سکتا۔ کیونکہ خدا کا حکم سراپا عدل ہوتا ہے، جس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ لہٰذا ایک مؤمن و مُسلم کے لئے خدائی احکام کو محض استدلال کی بنیاد پر رد کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ہاں البتہ وہ احکام الٰہی کی پابندی کرتے ہُوئے غور و فکر کے ذریعہ ان احکام کی حکمتیں اور مصلحتیں ضرور معلوم کر سکتا ہے، تاکہ وہ غیر مُسلموں کو اپنی شریعت اور قانون کی معقولیت سمجھا سکے اور ان کے سامنے اسلامی شریعت کی برتری ثابت کر سکے۔ کیونکہ اسلامی شریعت سراپا عدل اور سراپا دانش ہوتی ہے۔

فہمِ نصوص میں اختلاف ہوسکتا ہے

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ مجموعی اعتبار سے "فہمِ نصوص" میں اختلاف ہو سکتا ہے کہ ایک آیت سے کوئی عالم کچھ سمجھے تو دوسرا کچھ، کیونکہ قرآنی آیات میں بڑی لچک اور اُس کے معانی میں بڑی وسعت ہوتی ہے۔ اور اس میں کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معانی و مطالب سمیٹ دیئے گئے ہیں۔ جو حقیقتاً کُلّیات کی حیثیت رکھتی ہیں، جن سے بہت سے جزئی احکام وضع کئے جا سکتے ہیں۔

اسی وجہ سے حدیث شریف کے مطابق قرآن کو "جَوَامِعُ الْکَلِم" (جامع کلمات) کہا گیا ہے[۵۴]۔ چنانچہ امام ابنِ قیّمؒ اس سلسلے میں بحث کرتے ہُوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: "مقصود یہ کہ نصوص کے فہم میں لوگوں کا تفاوت ہو سکتا ہے۔ اور یہ کہ ان میں سے کوئی عالم کسی آیت سے ایک یا دو احکام ثابت کرتا ہے تو دوسرا اس سے دس یا اس سے زیادہ احکام نکالتا ہے۔ جب کہ

---

[۵۴] بخاری کتاب الاعتصام، ۸/۱۳۸ (بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ) مطبوعہ استانبول۔

کسی کا یہ حال بھی ہو سکتا ہے کہ وہ آیت کے سیاق کو سمجھے بغیر محض ایک لفظ کے معنی ہی سمجھ سکے؟[۵]

چنانچہ اس کی مثالیں اور فقہاء کے محیّر العقول کارنامے دیکھنے ہیں تو "احکام القرآن" کے موضوع پر مختلف مُصنّفین کی کتابیں دیکھنی چاہئیں۔ مثلاً علامہ جصّاص رازی حنفی کی احکام القرآن اور قاضی ابوبکر ابن العربی کی احکام القرآن وغیرہ۔

اس اعتبار سے قرآن حکیم کے اسرار و عجائب کی کوئی انتہاء نہیں ہے، جو دراصل اُس کا حیرت انگیز اعجاز ہے۔ اور اس باب میں فقہاء کا اختلاف بھی "فہم نصوص" ہی کا اختلاف ہے، جس کی بنا پر فقہ کے مختلف مسلک یا مکاتبِ فکر بن گئے۔ مگر قرآنی آیات کے فہم و تفاوت کا یہ اختلاف "اجتہاد" کے ذیل میں نہیں بلکہ "تفسیر" کے ذیل میں آتا ہے۔

قیاس و اجتہاد کی حقیقت

اب رہا معاملہ فقہاء کے قیاس و اجتہاد کا تو یہ دراصل قرآن اور حدیث کے نصوص سے نئے مسائل کا حل نکالنا ہے جو تشریح و تفسیر سے ایک زائد چیز ہے۔ اس کو قرآن اور حدیث کے "اُصول" سے "فُروع" یا اُن کے "کُلّیات" سے "جُزئیات" کا استنباط بھی کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن اور حدیث میں بعض احکام (COMMANDMENTS) کی ایسی "علّتیں" (REASONS) بیان کی گئی ہیں، جن کی بنیاد پر بعض غیر مذکور شدہ یا نئے مسائل کا حکم معلوم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں شراب کی حرمت کا ذکر اس طرح آیا ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَاءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ : اے ایمان والو (جان لو کہ) شراب، جُوا، بُتوں (کی تنصیب) اور فال کے تیر (چھوڑنا) یہ سب گندہ کام ہیں جو شیطانی عمل ہے۔ لہٰذا تم ان سے

---

[۵] اعلام المُوقّعین، ۱/۳۹۷

باز رہو تاکہ نجات پاسکو۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ تم میں دشمنی اور بغض پیدا کردے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم باز آجاؤ گے ؟
(مائدہ : ۹۰ - ۹۱)

قرآن حکیم کی اس تصریح کے مطابق شراب کی حرمت اگرچہ قطعی طور پر ثابت ہوجاتی ہے کہ اول تو وہ ایک گندہ کام (رجس) ہے، پھر وہ ایک شیطانی عمل ہے، اور پھر یہ کہ اس کی وجہ سے لوگوں کے درمیان عداوت اور دشمنی پیدا ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اس کی سب سے بڑی خرابی یہ کہ جس کو یہ لت لگ جاتی ہے وہ یادِ الٰہی سے بالکل غافل اور بے پروا ہوجاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس موقع پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر جس چیز کو "خمر" کہا گیا ہے وہ بذاتِ خود کیا چیز ہے ؟ یعنی وہ کونسی شراب ہے ؟ کیونکہ خمر کا اطلاق مختلف قسم کی شرابوں پر ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں امام راغب تحریر فرماتے ہیں :

" خمر کی اصل کسی چیز کو چھپا لینا ہے۔ اور چونکہ وہ عقل کو چھپا دیتی ہے (یعنی اس کو زائل کردیتی ہے) اس لئے شراب کا نام خمر پڑ گیا۔ بعض لوگوں کے نزدیک خمر کا اطلاق ہر قسم کی نشہ آور شراب پر ہوتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک خاص کر انگور یا کھجور کی بنی ہوئی شراب کو خمر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ایک حدیث کے مطابق آپ نے فرمایا کہ خمر وہ ہے جو ان دو درختوں یعنی کھجور اور انگور سے بنی ہوئی ہو۔ اسی طرح بعض کے نزدیک خمر وہ ہے جو پکی ہوئی نہ ہو" [۱]

اس بنا پر ممکن تھا کہ شراب اصلاً حرام ہوتے ہوئے بھی اس "لفظی ہیر پھیر" کی بنا پر حرام نہ رہ جاتی بلکہ اُمت کے لئے ایک فتنہ بن جاتی۔ لہٰذا حدیثِ رسول میں صاف صاف نہ صرف یہ کہ اس کی صحیح تعریف کردی گئی ہے بلکہ پوری وضاحت کے ساتھ ایک ایسا ضابطہ بھی بیان کر دیا گیا ہے جس کی بنا پر اس میں کسی بھی قسم کا شبہ نہ رہ جائے اور اس قسم کا کوئی بھی رخنہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ "صحاح ستہ" میں اس سلسلے کے بعض اصول مذکور ہیں۔ مثلاً :-

---

[۱] المفردات فی غریب القرآن، ص ۱۶۰، مطبوعہ بیروت۔

كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ : ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔[7]

كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ : ہر وہ مشروب جو نشہ لائے وہ حرام ہے۔[8]

مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ : جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ لائے اُس کی تھوڑی سی مقدار بھی حرام ہے۔[9]

ان تین کُلّیات میں اتنی جامعیت ہے کہ نہ صرف شراب بلکہ دنیا کا ہر وہ مشروب جو نشہ آور ہو وہ سب حرام قرار پاسکتا ہے۔ اور اس باب میں کسی قسم کا استثناء نہیں ہے۔[10] اور پھر جو چیز زیادہ پینے سے نشہ لاسکتی ہے اُس کی تھوڑی سی مقدار یا اُس کا چکھنا بھی حرام ہے۔ اس طرح ان صریح احادیث سے اس سلسلے کے سارے "چور دروازے" پوری طرح بند ہوجاتے ہیں۔

غرض اس طرح "نصِ حدیث" کے مطابق ماحصل یہ ہُوا کہ جو بھی چیز نشہ آور ہو وہ حرام ہے۔ کیونکہ اس کے باعث دینی و دنیوی دونوں اعتبار سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ دورِ قدیم میں فقہاء نے شراب کی حرمت کی وجہ "نشہ" قرار دے کر حکم لگایا کہ وہ نَبیذ (کھجور وغیرہ کا شیرہ) جو نشہ لائے اُس کا بھی یہی حکم ہے، اگرچہ یہ لفظ قرآن اور حدیث میں مذکور نہ ہو۔ کیونکہ ایک اُصولی حکم اور اُس کی علّت (REASON) معلوم ہوجانے کے بعد جس چیز میں بھی یہ علت موجود ہوگی، وہ حرام ہوجائے گی۔[11]

---

[7] صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، ۲/۱۵۸۷، مطبوعہ ریاض۔

[8] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، ۱/۶۶، مطبوعہ استانبول۔

[9] سنن أبوداؤد، کتاب الاشربہ، مطبوعہ حمص (شام)۔

[10] واضح رہے کہ عربی زبان میں اُردو کے برعکس لفظ "شراب" مشروب کے معنی میں آتا ہے، اور اس اعتبار سے وہ پانی یا دُودھ وغیرہ بھی ہوسکتا۔ جب کہ اصل شراب کو عربی میں خمر کہا جاتا ہے۔

[11] دیکھئے کتاب "اُصول الفقہ" از محمد خضری بک، ص ۲۴۵، نیز "علم اُصول الفقہ" از عبدالوہاب خلاف، ص ۵۳۔

"قیاس" کے لفظی معنی اندازہ کرنے کے ہیں، اور اصولِ فقہ کی اصطلاح میں اس سے مراد "حکمِ شرعی میں کسی علت کی بنیاد پر ایک چیز کا حکم دوسری چیز پر لگانا ہے"۔[۱۲] یعنی دو چیزوں کا حکم مشترکہ علت کی بنیاد پر ایک قرار دینا ہے۔

اس اعتبار سے موجودہ دور میں جو نئی نئی قسم کی شرابیں بن رہی ہیں مثلاً شیمپین، وہسکی، رم، بیر اور برانڈی وغیرہ یہ سب اسی علت کی بنا پر حرام ہیں۔ اور اس سلسلے میں اصول یہ ہے کہ جس چیز کی کثیر مقدار سے نشہ آسکتا ہے اُس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔ لہٰذا کسی شخص کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ مجھے فلاں فلاں قسم کی شراب سے نشہ نہیں ہوتا، یا اتنی مقدار سے نشہ نہیں ہوتا لہٰذا مجھے اس کی اجازت ملنی چاہیئے۔ اس قسم کے استثناء کی ایک دائمی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ خدائی قانون ہر فرد، ہر دور اور ہر جگہ کے لئے ایک ہوتا ہے۔

اسی طرح موجودہ دور کے نئے نئے نشے مثلاً افیم، گانجہ، بھنگ، حشیش، ہیروئن، اور براؤن شوگر وغیرہ ہر قسم کے منشیات (DRUGS) بھی حرام ہیں۔ کیونکہ ان سے بھی نہ صرف یہ کہ عقل فاسد ہوجاتی ہے بلکہ انسانی صحت پر اس کے بہت برے اثرات پڑتے ہیں۔ اب دیکھیئے یہ تمام چیزیں اسلامی شریعت میں لفظاً تو موجود نہیں ہیں، مگر معنوی طور پر ان سب کا احاطہ چودہ سو سال پہلے ہی کرلیا گیا ہے۔ یہی حال دیگر تمام مسائل کا بھی ہے۔ اس طرح ہر نئے پیش آنے والے مسئلے کا حکم اسلامی شریعت میں معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اور اسی کا نام اجتہاد ہے۔ چنانچہ اجتہاد کے لغوی معنی کوشش یا جد وجہد کے ہیں۔ اور اصطلاحِ شریعت میں اس سے مراد وہ جد وجہد ہے جو قرآن اور حدیث میں غیر مذکور یعنی نئے مسائل کا حکم روحِ شریعت کے مطابق معلوم کرنے کے سلسلے میں ہو۔

یہ ہے اسلامی نقطۂ نظر سے قیاس و اجتہاد کی صحیح حقیقت و ماہیت کہ وہ جدید مسائل و مشکلات جن سے انسانی معاشرہ کسی دور میں دوچار ہوتا ہے، اُن کا شرعی نقطۂ نظر سے حکم

---

[۱۲] المدخل الی علم اُصول الفقہ، از ڈاکٹر معروف دوالیبی، دمشق، ۱۹۵۵ء

معلوم کرنا یا اُن مسائل کے تعلق سے شریعت کا نقطۂ نظر واضح کرنا۔ ظاہر ہے کہ یہ نہ صرف ایک انسانی اور تمدنی ضرورت ہے بلکہ خود ایک شرعی وفقہی ضرورت بھی ہے۔ کیونکہ شریعت نوعِ انسانی کی رہنمائی کے لئے نازل کی گئی ہے۔ لہٰذا نئے نئے مسائل میں انسان کی رہنمائی کرنا شریعت کا فرض ہے۔ اور یہ فریضہ ہر دور میں اہلِ شریعت پر عائد ہوتا ہے کہ اُن کے درمیان ہر دور میں ایسے مجتہد ضرور موجود ہوں جو نئے نئے مسائل کا حل معلوم کرکے عالمِ انسانی کی صحیح رہنمائی کرتے رہیں۔ ورنہ شریعت کے دعوائے کمال و دوام پر حرف آسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک کامل اور دائمی شریعت کا مطلب یہی تو ہے کہ وہ ہمیشہ مشکل مسائل اور قضیہ جات کو اپنے ابدی اُصولوں کی روشنی میں حل کرتی رہے۔ اس لحاظ سے اہلِ شریعت کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں۔ لہٰذا اب انہیں اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے اس میدان میں پیش رفت کرنا چاہیئے۔

احکامِ شریعت میزانِ عقل کے مطابق

اس بحث سے ضمناً یہ بھی [illegible] گیا کہ عقلی اعتبار سے جو چیزیں مُضرِ صحت ہوتی ہیں اُن سب کو اسلامی شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے اسلامی شریعت نہ صرف ایک معقول اور برتر شریعت ثابت ہوتی ہے جو نوعِ انسانی کے مفاد کے لئے [illegible]ا کی گئی ہے، بلکہ وہ ایک پاکیزہ اور صحت مند قانون کی حامل بھی نظر آتی ہے جس میں نوعِ انسانی کا تحفظ اور اس کی بقا کا راز مضمر ہے۔ جب کہ دُنیا کے دیگر مذاہب اور قوانین میں شراب پر کوئی پابندی ہی نہیں ہے۔ یا اگر ہے بھی تو محض برائے نام۔ اس اعتبار سے بھی اسلام اور دیگر مذاہب کا فرق بالکل واضح ہے۔

غرض اسلامی شریعت عقلی واستدلالی اعتبار سے ایک ایسے اعلیٰ مقام پر فائز ہے، جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی شریعت اور کوئی قانون نہیں کرسکتا۔ چنانچہ علامہ ابنِ قیمؒ (متوفی ۷۵۱ھ) اپنی ایک قابلِ قدر اور معرکۃ الآرا کتاب "اعلام الموقعین" میں قیاس واجتہاد کے موضوع پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "احکامِ شریعت تمام کے تمام قیاسِ صحیح کے موافق ہیں۔ اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی حکم قیاسِ صحیح کی میزان کے

خلاف نہیں ہے۔"[13]

گویا کہ احکامِ شریعت سراپا عقل اور سراپا علم ہیں، جنہیں کسی بھی دور میں علمِ انسانی منطقِ صحیح کی بنیاد پر چیلنج نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ خدائی علم و حکمت پر مبنی ہونے کی بنا پر سراپا عدل اور سراپا مصلحت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دینی احکام میں غور و خوض کر کے ان کی علّتیں اور حکمتیں معلوم کرنے پر زور دیا گیا ہے، جیسا کہ تفصیل پچھلے ابواب میں گزر چکی ہے۔ چنانچہ علّامہ ابو اسحاق شاطبی مالکی (متوفی ۷۹۰ھ) اس سلسلے میں اپنی کتاب "الموافقات" (جو اصولِ شریعت کی ایک جلیل القدر تصنیف ہے) میں تحریر فرماتے ہیں کہ : "شرعی دلیلیں عقلی اُمور و قضایا کے منافی نہیں ہوتیں۔" (الأدلة الشرعية لا تنافی قضايا العقول)[14] اور پھر اس اُصول کی تشریح کئی صفحات میں کی ہے۔

اسلام میں قیاس کا مقام

غرض قیاس انسانی فطرت میں داخل ہے، جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا دین میں بھی وہ پوری طرح مطلوب ہے۔ اور اس اعتبار سے دین و فطرت کا ربط و تعلق بھی پوری طرح ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس اعتبار سے وہ دین دین نہیں ہو سکتا جو انسانی فطرت اور اُس کے داعیات کے خلاف ہو۔ یعنی جو انسانوں کے عقل و قیاس پر پابندی لگانے کی کوشش کرتا ہو۔ مگر اسلام میں نہ صرف یہ کہ صحیح عقل و قیاس کی تعریف کی گئی ہے بلکہ عقل و قیاس کو کام میں نہ لانے والوں کی مذمت کرتے ہوئے انہیں چوپائے قرار دیا گیا ہے۔ اس سے آپ اسلام میں عقل و خردمندی کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جب کہ دُنیا کے دیگر بڑے بڑے مذاہب میں عقل و خرد کا کوئی کام ہی نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت کی عقلیت پسندی اور مصلحت آفرینی ہی کے باعث اجتہاد ممکن ہو سکا ہے۔ کیونکہ اجتہاد قیاس کی بنیاد پر ہوتا ہے اور قیاس کے لئے صحیح علّت یا

---

[13] اعلام الموقعین، ۱/۳۹۱، مطبوعہ قاہرہ۔

[14] الموافقات، از ابو اسحاق شاطبی، ۳/۲۷، مطبوعہ بیروت، ۱۳۹۵ھ۔

مصلحت کا تلاش کرنا ضروری ہے، جو عقلیت پسندی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور یہ وہ عظیم الشان خصوصیت ہے جس کی بنا پر اسلامی شریعت دنیا کی دیگر تمام شریعتوں اور اسی طرح دنیا کے تمام وضعی یا انسانی قوانین سے ممتاز نظر آتی ہے۔ اور اس کا ایک اور لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ اسلامی شریعت میں کوئی چیز خلافِ عقل یا خلافِ قیاس موجود نہیں ہے۔ اور یہ یقیناً ایک خدائی معجزہ ہے جو بشری طاقت سے باہر ہے۔ چنانچہ دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ آج تک کسی انسان یا انسانوں کی جماعت نے مل کر ایسا کوئی قانون پیش نہیں کیا جو ہر اعتبار سے معجزہ ہو۔

غرض اسلام میں قیاس و اجتہاد کا دروازہ سب سے پہلے خود صحابۂ کرام ہی نے کھولا تھا۔ خصوصاً خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں چند رہنما اُصول قائم کئے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ کا وہ مکتوبِ گرامی جو آپ نے والیٔ بصرہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا وہ اُصولِ فقہ کی ایک بیش بہا تاریخی دستاویز کا درجہ رکھتا ہے، جس میں آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا تھا:

..... ثُمَّ الْفَهْمَ الْفَهْمَ، فِيمَا أُدْلِيَ إِلَيْكَ مِمَّا وَرَدَ عَلَيْكَ مِمَّا لَيْسَ فِي قُرْآنٍ وَلَا سُنَّةٍ، ثُمَّ قَايِسِ الْأُمُورَ عِنْدَ ذٰلِكَ، وَاعْرِفِ الْأَمْثَالَ، ثُمَّ اعْمِدْ فِيمَا تَرَىٰ إِلَىٰ أَحَبِّهَا إِلَى اللّٰهِ وَأَشْبَهِهَا بِالْحَقِّ: ہاں دیکھو اُن تمام اُمور میں فہم و ادراک سے کام لینا جو تمہارے سامنے پیش ہوں، جن کا حکم قرآن اور سُنّت میں موجود نہ ہو۔ تو تم ایسے وقت معاملات کو ایک دوسرے پر قیاس کرو اور مثالوں کو پہچانو۔ پھر تم اپنی رائے میں اُس فیصلے کو اختیار کرو جو خُدا کی نظر میں زیادہ پسندیدہ اور اقرب الی الحق ہو۔[۱۵]

حضرت عمرؓ کا یہ اُصول آج "اُصولِ فقہ" کی ایک مستند ترین بنیاد ہے۔ اور اس میں "مثالوں کو پہچاننے" کی جو بات کی گئی ہے وہ دین و شریعت اور فقہ کی ایک اہم ترین اساس ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں امام ابنِ قیّم تحریر فرماتے ہیں کہ: "ہم مثل چیزوں کو ایک دوسرے سے

---

[۱۵] اعلام الموقعین، ۱/۹۲

ملانا یا ایک مثال کو دوسری مثال سے سمجھنا ہی دین کی اصل ہے۔ اور اسی وجہ سے شارع نے اپنے احکام میں ایسی علتیں اور صفتیں بیان کی ہیں جن کے ذریعہ ایک حکم کا تعلق دوسرے سے ظاہر ہو اور جہاں کہیں بھی یہ علت پائی جائے اُس پر وہی حکم لگایا جائے۔"[16]

اس قسم کے قیاسِ عقلی (ایک چیز کو دوسرے کے مطابق سمجھنے) کا حال خود قرآن حکیم ہی سے معلوم ہوتا ہے، جس میں چالیس سے زیادہ عقلی مثالیں (امثال) بیان کی گئی ہیں، جو عقلی قیاسات ہی کی مثالیں ہیں۔ چنانچہ قرآن میں حیاتِ ثانی کو امکان کے اعتبار سے حیاتِ اول پر قیاس کیا گیا ہے۔ اور موت کے بعد مُردوں کی دوبارہ زندگی کو بارش کے بعد زمین پر رُونما ہونے والی سرسبزی و شادابی "زمین کی مُردہ حالت کے بعد اُس کی دوبارہ زندگی" پر قیاس کیا گیا ہے۔ (یعنی جس طرح بارش ہونے کے بعد زمین دوبارہ جاگ پڑتی ہے گویا کہ وہ مُردہ حالت سے دوبارہ زندگی کا قالب اختیار کر لیتی ہے، بالکل اسی طرح انسانی زندگی دوبارہ ممکن ہو سکتی ہے)۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں بیان کی گئی ہیں[17] جن میں عقل و استدلال پر اُبھارا گیا ہے۔ چنانچہ حیاتِ ثانی کو حیاتِ اول پر قیاس کرنے کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ کَذٰلِكَ النُّشُوْرُ : اور وہ اللہ ہی ہے جس نے ہوائیں چلائیں جو بادل کو اُٹھائے پھرتی ہیں۔ پھر ہم اس بادل کو ایک مرے ہوئے شہر (خطۂ ارض) کی طرف ہانکتے ہیں اور اس کے ذریعہ زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح (تمام انسانوں کو) دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔ (فاطر: ۹)

مثال کا تعلق چونکہ علم و عقل سے ہوتا ہے، اس لئے مثالوں کو سمجھنے کے لئے عقل و آگاہی کی ضرورت پڑتی ہے۔ حسبِ ذیل آیت میں اسی حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے:

۱۶؎ اعلام الموقعین، ۱/۲۱۴-۲۱۵

۱۷؎ ایضاً، ۱/۱۴۱ (ماخوذ)

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ : یہ مثالیں جن کو ہم لوگوں کے لئے بیان کر رہے ہیں، ان کو صرف اہلِ علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (عنکبوت:۴۳)

قیاسِ فاسد تمام گمراہیوں کی جڑ

یہ قیاس و اجتہاد کے بارے میں ایک سرسری جائزہ تھا۔ مگر اس موقع پر یہ حقیقت بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ قیاس کے صحیح ہونے کے لئے کئی شرائط ہیں، جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ قیاس باطل بھی ہوسکتا ہے۔ اس اعتبار سے قیاس کی دو قسمیں ہیں: ایک قیاسِ صحیح اور دوسرے قیاسِ فاسد۔ اور ان دونوں کی تعریف حسبِ ذیل ہے:

۱۔ قیاسِ صحیح یہ ہے کہ دو ہم مثل چیزوں کو یکجا کیا جائے۔[۱۸] جیسا کہ پچھلے صفحات کے مطابق "نشہ" کی بنیاد پر پائی جانے والی مختلف چیزوں پر یہ حکم لگایا گیا کہ وہ "حرام" ہیں۔ کیونکہ ان تمام چیزوں میں نشہ کی مشترکہ علت موجود ہونے کے باعث وہ سب "ہم مثل" یعنی ایک ہی درجے میں ہیں۔

۲۔ اور قیاسِ فاسد دو مختلف (علتوں والی) چیزوں کو اکھٹا کرنے کا نام ہے۔[۱۹] یعنی ایسی دو چیزیں جن میں عِلّت (REASON) مشترک نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی دو مختلف چیزوں کا حکم ایک نہیں ہوسکتا۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ شراب بھی ایک "مشروب" ہے اور دُودھ بھی ایک "مشروب" (پینے والی چیز) ہے، لہٰذا ان دونوں کو حلال یا ان دونوں کو حرام ہونا چاہئے، تو یہ ایک غلط قیاس ہوگا۔ کیونکہ شراب کی حُرمت اُس کی "مشروبیت" کے باعث نہیں بلکہ اُس کے نشہ پیدا کرنے کی وجہ سے ہے، جو دُودھ میں موجود نہیں ہے۔ لہٰذا دونوں میں "علّت" مشترک نہ ہونے کی وجہ سے ان دونوں کا حکم ایک نہیں ہوسکتا۔ دورِ جاہلیت میں مشرکینِ عرب نے اِسی قسم کے غلط قیاس کی بنا پر سُود کو بھی بَیع (تجارت) پر قیاس کرتے ہُوئے استدلال کیا تھا کہ جس طرح تجارت میں

---

[۱۸] اعلام الموقعین، ۱/۴۳۱

[۱۹] ایضاً

"بڑھوتری" پائی جاتی ہے اسی طرح سود میں بھی یہی چیز پائی جاتی ہے۔ لہٰذا ان دونوں کا حکم ایک ہونا چاہئے :

قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا : انہوں نے کہا کہ بیع بھی تو سود ہی کے مانند ہے۔ (بقرہ : ۲۷۵)

غرض ابن قیم فرماتے ہیں کہ "قیاس عدلِ الٰہی ہے، جس کے ساتھ اُس نے اپنے نبی کو بھیجا ہے۔ چنانچہ خدا کی شریعت (ہمیشہ) قیاسِ صحیح کے مطابق ہوتی ہے اور وہ کبھی اس کے خلاف نہیں ہوسکتی۔ اور قیاسِ صحیح کی شرط یہ نہیں ہے کہ ہر شخص اُس کی صحت کا حال معلوم کرلے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص شریعت کے کسی حکم میں مخالفِ قیاس کوئی چیز دیکھتا ہے تو وہ دراصل ایسا قیاس ہے جو خود اس کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے، جب کہ وہ حقیقتاً قیاسِ صحیح کے مخالف نہیں ہے۔ اور جب کبھی ہم کو ایسا گمان ہونے لگتا ہے کہ کوئی "نص" خلافِ قیاس وارد ہوئی ہے، تو وہ دراصل قیاسِ فاسد کی قبیل سے ہوگی۔ لہٰذا شریعت میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو قیاسِ صحیح کے مخالف ہو۔ ہاں البتہ وہ قیاسِ فاسد کی مخالف ہوسکتی ہے، اگرچہ بعض لوگ اس کے فساد سے لاعلم ہوں۔"[۲۰]

پھر موصوف دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ "قیاسِ فاسد کا شریعت میں ہمیشہ ابطال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سود کو تجارت پر قیاس کرنے، مُردار کو ذبح کئے ہوئے جانور پر قیاس کرنے اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بُتوں پر قیاس کرنے کو باطل قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنا مقبول بندہ اور رسول قرار دیا ہے، جنہوں نے لوگوں کو اپنے معبود قرار دئے جانے سے منع کیا تھا۔ لہٰذا اس بنا پر آپ عذابِ الٰہی کے مستحق نہیں بن سکتے۔ بخلاف مشرکین کے بُتوں کے۔ اس اعتبار سے یہ دونوں اُمور قیاساً ایک درجے میں نہیں ہیں۔"[۲۱]

موصوف اس سلسلے میں مزید تحریر فرماتے ہیں کہ اس قسم کا قیاس کرنے والا سب سے

۲۰؎ اعلام الموقعین، ص ۴۳۱-۴۳۲

۲۱؎ ایضاً، ۱/۲۶۰

پہلا فرد ابلیس تھا۔ اور آفتاب و ماہتاب کی عبادت بھی اسی قسم کے فاسد قیاس کی بنا پر کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے ادیان و مذاہب میں جو بھی بدعتیں اور فساد پرور اُمور نے جگہ پائی ہے وہ سب قیاسِ فاسد ہی پر مبنی ہیں۔ نیز اسی طرح خود اسلام میں جو گمراہ فرقے انحرافات کا شکار ہوئے، مثلاً فرقۂ جہمیہ نے اللہ کی صفات، اُس کی عُلویت، اُس کا عرش پر مستوی ہونا، اُس کا اپنے بندوں سے کلام کرنا اور آخرت میں اُس کی رُویت ثابت ہونا وغیرہ اُمور کا جو انکار کیا وہ سب اسی قیاسِ فاسد کا نتیجہ تھا۔ اسی طرح فرقۂ قدریہ نے اللہ تعالیٰ کی عمومی قُدرت و مشیّت کا انکار بھی اسی قیاسِ فاسد کی بنا پر کیا ہے۔ رافضیوں کی گمراہی بھی اسی قیاسِ فاسد کی بنیاد پر ہے جس کے باعث وہ اللہ کے محبوب بندوں کے دشمن ہیں اور صحابۂ کرام کی تکفیر کرتے اور اُنہیں بُرا بھلا کہتے ہیں۔ اور اسی طرح مُلحد اور دہریے بھی مُردوں کے دوبارہ جی اُٹھنے، آسمانوں کے پھٹنے[۲۲] اور دُنیا کے اختتام کا انکار بھی اسی قیاسِ فاسد کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ اس طرح مجموعی اعتبار سے دُنیا میں جو بھی فساد برپا ہو رہا ہے اور جو خرابیاں رُونما ہو رہی ہیں وہ سب کی سب قیاسِ فاسد ہی کی بنا پر ہیں[۲۳]

قیاسِ فاسد اور مخالفِ شریعت تحریکیں

یہ ایک فکر انگیز بیان ہے جو حقائق و معارف سے بھرپور ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قیاسِ صحیح اور قیاسِ فاسد کی اس سے زیادہ جامع اور مفصل تعریف شاید ہی کسی نے کی ہو۔ اس فکر انگیز بیان سے یہ حقیقت بھی پوری طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آج اسلامی شریعت کے خلاف جو سازشیں اور شورشیں ہو رہی ہیں اور اس سلسلے میں خواہ مخواہ قسم کا جو "واویلا" مخالفینِ اسلام کے علاوہ خود بعض منافقینِ اُمت کی طرف سے برپا کیا جا رہا ہے، وہ سب اسی قسم کے "قیاسِ فاسد" کا نتیجہ ہے۔ گویا کہ مُغالطوں کے ذریعہ وہ صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح ثابت کر کے اسلامی شریعت پر شبخون مارنا چاہتے ہیں۔ یعنی چور دروازوں کے ذریعہ خُدا کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور اُس کی حرام کردہ چیزوں

---

[۲۲] دورِ قدیم میں یہ ایک فلسفیانہ مسئلہ تھا کہ "آسمان" نہ تو پھٹ سکتا ہے اور نہ پھٹنے کے بعد دوبارہ جُڑ سکتا ہے۔

[۲۳] اعلام الموقعین، ۱/ ۲۶۰ - ۲۶۱

کو حلال کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے صاف صاف فرما دیا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ : اے ایمان والو! ان پاک چیزوں کو حرام نہ کرو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔ اور حد سے آگے نہ بڑھو۔ کیونکہ اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔

(مائدہ : ۸۷)

اسلامی شریعت کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ خدا کی حلال کردہ چیزوں کو کوئی بھی حرام قرار نہیں دے سکتا۔ اسی طرح اس کی حرام کردہ چیزوں کو کوئی بھی حلال قرار نہیں دے سکتا۔ اس قسم کا اختیار تو خود رسول کو بھی نہیں تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک واقعہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ عصر کے بعد آپ اپنی بیویوں کی خبرگیری کے لئے ہر ایک کے یہاں تھوڑی تھوڑی دیر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت حفصہؓ کے ہاں آپ معمول سے زیادہ وقت ٹھہر گئے اور وہاں پر آپ نے شہد تناول فرمایا۔ اس پر مجھے رشک آیا تو میں نے حضرت سودہ بنتِ زمعہؓ سے کہا کہ حضورؐ ہم میں سے جس کے پاس بھی آویں وہ یوں کہے کہ آپ نے مغافیر (ایک قسم کا بدبودار گوند) تناول فرمایا ہے۔ قصہ مختصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ بدبودار چیزوں سے طبعاً سخت کراہت تھی اس لئے آپ نے قسم کھالی کہ میں پھر کبھی شہد نہ کھاؤں گا۔ اس پر حسبِ ذیل آیتِ کریمہ نازل ہوئی :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ : اے نبی آپ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے؟ آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اللہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔ (تحریم : ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی شریعت کا اصل شارع صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں خود رسول اللہ صلعم کی زبانِ مبارک سے کہلوایا گیا کہ خدا کے نازل کردہ کلام (یا اس کے دین و شریعت) میں تبدیلی کا مجھے مطلق اختیار نہیں ہے :

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ : کہہ دو کہ یہ میرا کام نہیں ہے کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو صرف اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بذریعہ وحی بھیجی جاتی ہے۔ (یونس : ۱۵)

مگر اب مخالفینِ اسلام اور اُن کے حامی بعض "مسلمان" خُدا کی شریعت کو بدل کر مسلمانوں کو گمراہ کرنا اور ان پر جاہلیت کے فیصلے مسلّط کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لئے کبھی تو وہ چور دروازوں کی تلاش کرتے ہیں اور کبھی "یکساں سول کوڈ" کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ اور ان کے استدلال کی بنیاد محض "قیاسِ فاسد" ہے۔ چنانچہ آج خُدا کے مشروع کردہ قانونِ طلاق اور تعددِ ازدواج وغیرہ پر روک لگانے کے سلسلے میں جو بھی آوازیں بلند کی جارہی ہیں اُن سب کی بنیاد اسی "قیاسِ فاسد" پر ہے۔ چنانچہ قیاسِ فاسد یا مغالطوں کا سہارا لے کر حق کو ناحق اور ناحق کو حق ثابت کرنے کا کاروبار آج پورے زور وشور کے ساتھ جاری ہے۔

قیاسِ فاسد کا بانی ابلیس ہے

اس سلسلے میں علامہ ابنِ قیمؒ تحریر فرماتے ہیں: "دُنیا کا سب سے پہلا گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی قیاسِ فاسد کی بنیاد پر تھی۔ اور یہی قیاسِ فاسد حضرت آدمؑ اور آپ کی اولاد میں بھی اس قیاس کے مرتکب (ابلیس) کے ذریعہ داخل ہوگیا۔ لہٰذا دُنیا اور آخرت کے تمام شر وفساد کی اصل یہی قیاسِ فاسد ہے۔"[۲۴]

چنانچہ ابلیس پہلے تو قیاسِ فاسد کے ذریعہ خود لعنتی اور مردود قرار پایا۔ پھر اس نے اسی قیاسِ فاسد کے ذریعہ حضرت آدمؑ کو بھی بہکا کر جنّت سے نکلوا دیا۔ اور حضرت آدم وحوا نے اسی قیاسِ فاسد کے ذریعہ اس چالاک دشمن کے فریب میں آکر شجرِ ممنوعہ کو چکھ لیا، جس کے باعث دونوں پر عتابِ الٰہی نازل ہوا۔ اس فریب دہی کی تفصیل قرآن میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ

---

[۲۴] اعلام الموقعین، ۱/ ۲۶۲

مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ:
پھر شیطان نے ان دونوں کو بہکایا تاکہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ان کے سامنے کھول دے اور کہا کہ تمہیں تمہارے رب نے اس درخت (کے کھانے) سے محض اس لئے روکا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جاؤ۔ (اعراف : ٢٠)

اس طرح آج بھی دُنیا میں شیطان جس کسی کو بہکانا چاہتا ہے اُسے قیاسِ فاسد کی پٹی پڑھا کر اپنے جال میں پوری طرح پھانس لیتا ہے۔ اور دُنیا میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہے جو چکنی چپڑی باتوں اور مغالطوں کے ذریعہ دوسروں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی ابتدا چونکہ شیطان سے ہوئی ہے اس لئے اس قسم کی فریب دہی ایک "شیطانی حرکت" ہے۔ خلاصۂ بحث یہ کہ "قیاسِ صحیح" ایک خُدائی تحریک ہے جو صحیح عقلی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس کے برعکس "قیاسِ فاسد" ایک شیطانی تحریک ہے جو غلط بنیادوں اور دھوکہ و فریب پر قائم ہے۔

شریعت اور فقہ کا فرق

اس بحث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ دین میں قیاس و اجتہاد کا مقام و مرتبہ کیا ہے۔ جس طرح کہ قیاسِ صحیح اور قیاسِ فاسد کی حقیقت بھی پوری طرح روشنی میں آگئی۔ نیز اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح ہو گئی کہ دین و شریعت ایسے جامد قسم کے احکام کا مجموعہ نہیں ہیں جن میں غور و فکر کرنا ممنوع ہو یا عقل و فکر کا اس میں کوئی دخل ہی نہ ہو۔ یہ تصور دیگر مذاہب کے باب میں تو صحیح ہو سکتا ہے مگر اسلامی شریعت کے باب میں صحیح نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہاں تو قدم قدم پر غور و فکر اور عقل و قیاس پر اُبھارا جا رہا ہے اور اس کی تحسین کی جا رہی ہے۔ تاکہ فقہ اسلامی ایک جامد چیز بن کر نہ رہ جائے، بلکہ دلیل و استدلال کا بازار ہمیشہ گرم رہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں شرعی احکام کے بیان کے بعد جگہ جگہ اس قسم کی ہدایات بھی ملتی ہیں:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ : اسی طرح اللہ تمہارے لئے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ (نور : ٦١)

اور جب کبھی احکام شرعی میں غور و فکر کیا جائے حکمتوں اور مصلحتوں کا ایک نیا باب ہمارے سامنے آتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابنِ قیم تحریر فرماتے ہیں کہ قیاسِ صحیح کے اعتبار سے "شریعت درجۂ کمال پر نظر آتی ہے، کیونکہ وہ عدل، مصلحت اور حکمت پر مشتمل ہے۔"[۲۵]

مگر اس موقع پر اصل شریعت اور فقہ کا فرق بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے تاکہ اس باب میں کسی قسم کی غلط فہمی باقی نہ رہے۔ فقہائے کرام نے قرآن اور حدیث کو سمجھنے اور ان سے نئے مسائل کا استنباط کرنے میں اگرچہ کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، بلکہ ایک انسان کے امکان میں جتنا کچھ ہو سکتا تھا اتنی تمام کوشش اُنہوں نے نہایت درجہ خلوص اور محنت سے کر ڈالی اور "فقہ" کے نام سے ایک ایسا عظیم الشان ذخیرۂ قانون تیار کر دیا جس کی نظیر انسانی قانون اور دستوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ ذخیرۂ قانون اُنہوں نے اپنے دور کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تیار کیا تھا، جو قرآن اور حدیث کی رُوح کے عین مُطابق تھا۔ مگر اس کے باوجود اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیئے کہ ان میں سے بعض مسائل موجودہ دور کے مزاج اور ضروریات کے لحاظ سے ناکافی اور بعض غیر ضروری ہیں۔ اسی طرح ان کی بعض رایوں سے دلائل کی بنیاد پر اختلاف کی گنجائش بھی موجود ہے۔ مگر فقہائے کرام پر کسی قسم کی خود غرضی یا نفسانیت کا الزام عاید نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ انہوں نے اس سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔

اس اعتبار سے شریعت اور فقہ دو الگ چیزیں ہیں۔ پہلی چیز (شریعت) اپنی جگہ پر بالکل کمل اور بے نقص ہے جس میں کسی قسم کی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جب کہ دوسری چیز (فقہ) میں نظر ثانی اور ترمیم کی گنجائش موجود ہے۔ مگر ہم فقہ اسلامی سے کسی بھی حال میں مستغنی نہیں ہو سکتے۔ بلکہ جن اُصولوں کو کام میں لا کر فقہاء و مجتہدین نے شریعتِ الٰہی کو نکھارا اور اس کے افہام و تفہیم کے لئے چند رہنما اُصول و ضوابط وضع کر کے قانونِ شریعت کے نوک پلک درست کئے، اُسی نہج پر چل کر ہم موجودہ دور میں قیاس و اجتہاد کر سکتے ہیں اور انہی اُصولوں کی روشنی میں

---

۲۵ اعلام الموقعین، ۱/۳۶۰

نئے نئے مسائل کا حل دریافت کر کے عصرِ جدید کے چیلنج کا جواب دے سکتے ہیں۔

مگر اس سلسلے میں یہ اصول ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ کسی بھی دور میں جب کوئی نیا مسئلہ یا نیا قضیہ پیش آئے تو سب سے پہلے قرآن اور حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں شریعت کا اصل ماخذ ہیں اور ان سے کوئی بھی دور کسی بھی حال میں مستغنی نہیں ہو سکتا، بخلاف فقہ کے، جو اصل نہیں بلکہ فرع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کی مشکلات کا حل اصل میں تو مل سکتا ہے مگر فرع میں ملنا مشکل اور بتکلّف ہے۔ اور اس سلسلے میں عام طور پر ایک غلط فہمی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہِ اسلامی میں تمام مسائل کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔ یعنی قرآن اور حدیث کو اچھی طرح "نچوڑ" لیا گیا ہے۔ لہٰذا اب ہر مسئلے کا حل بجائے قرآن اور حدیث کے فقہ میں ڈھونڈنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بالکل ہی غلط بلکہ اُلٹا موقف ہے۔ فقہاء اور مجتہدین اگرچہ کتنے ہی زیادہ دقیق النظر اور نکتہ رس کیوں نہ ہوں، وہ مستقبل کے تمام مسائل کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہر دور کے احوال و کوائف اور اُن کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ اور موجودہ دور میں ایسے بہت سے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں جن کا قدیم دور میں کوئی تصور ہی نہیں تھا۔

اسی طرح ایک عمومی غلطی یہ بھی ہے کہ مختلف فقہی مسلکوں کے پیرو اپنے اپنے مسلک پر اتنی سختی کے ساتھ کاربند ہوتے ہیں کہ وہ اسے ہمیشہ کے لئے حرفِ آخر یا طے شدہ مسائل سمجھتے ہیں اور ان میں کسی بھی قسم کی ترمیم کے لئے بالکل تیار نہیں ہوتے، خواہ انہیں بعض صورتوں میں اپنے مسلک کی کمزوری ہی کیوں نہ دکھائی دے رہی ہو۔ اور ایسی تمام صورتوں میں وہ بجائے اپنے مسلک میں تاویل یا اصلاح کرنے کے قرآن اور حدیث میں تاویل کرنے لگ جاتے ہیں جو اصولاً ایک غلط موقف ہے، خصوصاً بعض جدید مسائل کے تعلق سے، جب کہ پچھلے ادوار میں ان کے بارے میں معلومات ناکافی تھیں۔ مگر یہ کوئی عوامی مسئلہ نہیں بلکہ علماء کا مسئلہ ہے۔

غرض ایسی تمام صورتوں میں قرآن اور حدیث کو مقدم رکھتے ہوئے فقہ کو ان کے تابع قرار دینا چاہئے، ورنہ اُلجھی ہوئی ڈور کا سرا ہاتھ نہیں آسکتا۔ اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن

اور حدیث میں تو ہمیں ہر دور کی مشکلات کا حل مل سکتا ہے مگر فقہ میں ایسا ہونا مشکل ہے ۔ بلکہ بعض صورتوں میں فقہ میں دوبارہ غور و فکر کرتے ہوئے اس کے نوک پلک سنوارنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اصل شریعت (قرآن اور حدیث) میں تو کسی قسم کا تغیر نہیں ہو سکتا ۔ (بلکہ اس کے نئے نئے نکات میں اضافہ ہو سکتا ہے اور اس اعتبار سے اُس کی حیثیت ایک سدا بہار درخت یا ایک رواں دریا کی سی ہے) جب کہ فقہ میں ترمیم و اضافہ ممکن ہے ۔

نیز اس موقع پر یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو جن دو چیزوں کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہنے کی ہدایت فرمائی تھی وہ قرآن اور حدیث ہی ہیں اور ان میں علماء کے اقوال و آراء شامل نہیں ہیں، جیساکہ آپ کا ارشاد ہے :

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا مَسَكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابُ اللهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهِ : مَیں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم انہیں تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے، ایک کتاب اللہ اور دوسری اُس کے نبی کی سُنت [۲۶]

لٰہذا قرآن اور حدیث اصل ہوئے اور باقی جو کچھ بھی ہے وہ ان دونوں کے تابع ہے ۔ مگر جو لوگ اس کے برعکس اپنے علماء اور مجتہدین کے اقوال و آراء کو ہر حال اور ہر صورت میں اصل قرار دے کر قرآن اور حدیث کو ان کے تابع قرار دیں گے تو ظاہر ہے کہ یہ بات شریعت کی اصل اور اُس کے منشا کے بالکل خلاف ہے۔ شریعت میں کسی قسم کی غلطی کا امکان نہیں ہے، کیونکہ وہ خُدا کے ابدی علم کا مظہر ہے۔ جب کہ اس کے برعکس ایک مجتہد اپنے ناقص علم و تجربے کی بنیاد پر غلطی کر سکتا ہے ۔

فقہی اختلافات کی حقیقت

اس موقع پر فقہی اختلافات پر بھی ایک تحقیقی نظر ڈال لینا مناسب اور ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ فقہاء کے درمیان اختلاف ایک واقعہ ہے، جس کی بنا پر ایک فقہ دوسری سے ممتاز نظر آتی ہے ۔ چنانچہ تاریخی اعتبار سے فقہِ اسلامی میں بہت سے مکاتبِ فکر (SCHOOLS OF THOUGHT)

---

[۲۶] موطا امام مالک، کتاب القدر، ۲/۸۹۹، مطبوعہ بیروت ۔

ظہور پذیر ہوئے، جن میں چار بہت زیادہ مشہور و مقبول ہیں۔ میری مُراد فقہ حنفی، فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ حنبلی سے ہے۔

ان مختلف مسلکوں کے درمیان جو اختلاف ہے وہ دلیل و استدلال کی بنیاد پر اُصولی اختلاف ہے۔ اور ہر مکتبِ فکر اس سلسلے میں اپنے اپنے مسلک کی تائید میں قرآن اور حدیث کے دلائل رکھتا ہے۔ اب ہر شخص کو اختیار ہے کہ دلائل و براہین کی روشنی میں اور اچھی طرح جانچ پڑتال کرنے کے بعد جس مسلک کو چاہے اختیار کرے، اگرچہ ان مسلکوں میں ترمیم و اضافہ ممکن ہے، خواہ اس حقیقت کو متعلقہ مسلک والے تسلیم کریں یا نہ کریں۔ مگر صدیوں کی تقلید کے باعث اب یہ ایک مشکل امر ہو گیا ہے۔

بہرحال اس موقع پر ایک غیر جانبدار شخص کے ذہن میں چند بنیادی سوالات پیدا ہوتے ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ اس قسم کا اختلاف آخر پیدا ہی کیوں ہُوا؟ کیا تمام لوگ کسی ایک ہی مسلک پر متفق نہیں ہو سکتے تھے؟

۲۔ اب جب کہ اختلاف پیدا ہو گیا ہے تو کیا یہ سب مختلف و متضاد مسلک برحق ہیں؟

۳۔ پھر کیا ان سب کو کسی ایک ہی مسلک پر متفق و متحد نہیں کیا جا سکتا؟

تو پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف دراصل "نصوصِ شریعت" کے فہم میں تفاوت کا نتیجہ ہے، جو دین میں بجائے خود مطلوب نظر آتا ہے۔ لہٰذا ان فقہی اختلافات کے ظہور میں بہت بڑی حکمت کارفرما نظر آتی ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے فکر و نظر کو جلا ملتی ہے، اسرارِ شریعت وا ہوتے ہیں اور سب سے بڑھ کر جُمودِ فکری کا خاتمہ ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اس اختلاف کے ذریعہ فکری قوتوں کو تیز کرنا اور دلیل و استدلال کا بازار گرم رکھنا مقصود ہے، تاکہ وہ نئے مسائل کی تدوین کی راہ میں معاون بن سکے۔ اور یہ چیز ایک دائمی شریعت کے لئے بہت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

دوسرے سوال کا جواب پہلے سوال کے جواب ہی میں موجود ہے کہ اس اختلاف کی گنجائش شرع شریف میں روزِ اول ہی سے رکھی گئی ہے۔ جیساکہ فقہائے کرام کے دلائل کے تفصیلی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ فقہاء نے جتنے بھی مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے وہ سب کتاب و سُنّت ہی کی بنیاد پر ہے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ اختلاف دین کی اساسیات میں نہیں بلکہ فروعی مسائل میں ہے۔ اور گنتی کے چند مسائل کو چھوڑ کر (جہاں پر جائز اور ناجائز کی بحث پیدا ہو جاتی ہے) اکثر مسائل وہ ہیں جہاں پر مسئلہ صرف فضیلت یا عدم فضیلت کا رہ جاتا ہے۔ مثلاً نماز میں ہاتھ سینے پر باندھا جائے یا ناف کے نیچے؟ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد آمین زور سے کہا جائے یا آہستہ؟ اس قسم کے ظاہری اور فروعی اختلافات شریعت میں مذموم نہیں بلکہ محمود ہیں۔ کیونکہ ان میں بعض معاملات وہ ہیں جن کی وجہ سے اُمت کے مختلف طبقات میں آسانی پیدا کرنا مقصود ہے۔ لہٰذا اس قسم کے ظاہری اور فروعی اختلافات میں شدت پیدا کر کے باہم دست بگریباں ہونا یا ایک دوسرے کی پگڑی اُچھالنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کی حرکت شریعتِ الٰہی اور اُس کی اصلیت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اب رہا تیسرے سوال کا جواب تو یہ عملاً ممکن نہیں ہے۔ یعنی کوئی ایک مسلک دُنیا کے تمام مُسلمانوں پر جبراً نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس کے باعث نئے نئے جھگڑے پیدا ہوں گے جو کبھی ختم نہ ہوسکیں گے۔ لہٰذا عافیت اسی میں ہے کہ جس ملک اور جس عَلاقے میں جو جو مسلک رائج ہیں انہیں جُوں کا تُوں برقرار رکھا جائے۔ اور پھر اس کی وجہ سے دوسری بڑی خرابی یہ پیدا ہو گی کہ کُند ذہنی یعنی جُمود کو بڑھاوا ملے گا اور فکر ونظر کے سُوتے خُشک ہو کر رہ جائیں گے۔ یہی وہ حکمتِ عملی ہے جو دین و شریعت میں روزِ اول ہی سے ملحوظ رکھی گئی ہے۔

ان تمام اعتبارات سے ایک دائمی شریعت میں اس قسم کے فروعی اختلافات کا موجود رہنا نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا اختلافِ مسلک کی بنا پر کسی قسم کی عصبیت پیدا کرنا اور اُمتِ اسلامیہ کے اتحاد میں رخنہ ڈالنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ فقہی اختلافات، جو ظاہر بینوں کو ایک اچھی خاصی بھول بھلیاں دکھائی دیتے ہیں، وہ نہ صرف یہ کہ اُمت کے لئے

باعثِ رحمت اور باعثِ آسانی ہیں بلکہ ان میں درحقیقت مستقبل کے قیاس و اجتہاد کا راز بھی چھپا ہُوا ہے۔ لہٰذا نئے دور کا مجتہد جب اجتہاد کرنے بیٹھے تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی ایک مسلک پر تکیہ کرنے کے بجائے پوری فقہ اسلامی کو سامنے رکھے۔ ورنہ شریعت کی اصل حقیقت و ماہیت سے ناواقفیت کے باعث سررشتۂ حیات اُس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

نیز اس سلسلے میں ایک معقول تجویز یہ بھی ہوسکتی ہے کہ پوری اسلامی فقہ پر بحیثیتِ مجموعی نئے سرے سے غور و خوض کر کے دلائل کی قوت کی بنا پر ایک نئی فقہ مُدوّن کی جائے اور اُس کو ایک اختیاری چیز کے طور پر اُمت کے سامنے پیش کیا جائے۔ تاکہ کوئی بھی شخص بغیر کسی جبر و اکراہ کے اس کو اختیار کر سکے۔ مگر اس کام کے لئے فقہ اور اُصولِ فقہ میں اعلیٰ درجے کی بصیرت رکھنے والے غیر متعصب علماء کی ایک جماعت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کام کو کوئی فردِ واحد انجام نہیں دے سکتا۔ اور نہ کسی فردِ واحد کے ذریعہ انجام پائے ہُوئے کام کی کوئی اہمیت ہی ہوسکتی ہے۔

فقہی اختلاف کے اسباب

بہرحال فقہائے کرام کے اختلافات اور اُن کے اسباب کو علمی طور پر سمجھنے کے لئے سب سے بہترین اور فکر انگیز کتاب علامہ ابنِ رشد قرطبی (متوفی ۵۹۵ ھ) کی "بِدایۃ المجتھد" ہے، جس میں فقہاء کے اختلافی مسائل کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کے اسباب و وجوہات پر فلسفیانہ مگر سلجھے ہُوئے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ ایک مختصر سی فقہی انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتی ہے جو دریا بکوزہ کا مصداق ہے۔ اس کے ذریعہ کم سے کم الفاظ میں فقہ اسلامی کے اسرار و رموز پوری طرح اُجاگر ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی پیچیدگی باقی نہیں رہتی۔

اس سلسلے کی ایک اور معرکۃ الآراء اور گرانقدر تصنیف حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ (متوفی ۱۱۷۶ ھ) کی "حُجۃ اللہ البالغۃ" ہے، جو فلسفۂ شریعت میں بے نظیر سمجھی جاتی ہے چنانچہ موصوف نے اس میں فقہی اختلافات کی اصل حقیقت بیان کرتے ہوئے حدیثِ رسول اور مختلف فقہی مسلکوں کے درمیان تطبیق دینے کی بھی کوشش کی ہے۔ نیز اس بارے میں آپ نے

ایک مستقل رسالہ بھی "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" کے نام سے تحریر کیا ہے، جس میں آپ نے تفصیل سے جائزہ لے کر بتایا ہے کہ متعدد تاریخی اسباب کی بنا پر خود دورِ صحابہ میں اس قسم کا اختلاف موجود تھا۔ اور مختلف فقہاء کا مسلک کسی نہ کسی صحابی کے قول و عمل پر مبنی ہے۔

موجودہ دور میں "امام محمد بن سعود اسلامیہ یونیورسٹی" ریاض کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن الترکی نے بھی ایک اچھی کتاب "اسباب اختلاف الفقہاء" کے نام سے تحریر کی ہے، جو اس موضوع پر کافی مفصل ہے۔ اس میں موصوف نے لکھا ہے کہ "شریعت میں جو اختلاف مذموم ہے وہ وہ اختلاف ہے جو حق بات اُجاگر ہو جانے کے بعد بھی محض نفسانی خواہش یا ذاتی تعصب کی بنا پر ظہور پذیر ہو۔ اور یہ بات خدارسیدہ ائمہ و مجتہدین کے باب میں ثابت نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو دلیل کی بنا پر اپنے اقوال کو ترک کر دیا کرتے تھے۔ اور وہ اپنے پیروؤں سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے خلاف ثابت ہو جائے تو اسے دیوار پر دے مارو۔"[27]

اجتہاد کی ضرورت اور اس کی شرائط

حاصلِ کلام یہ کہ اجتہاد عصرِ جدید کی ایک اہم ترین ضرورت ہے، جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور صاحبِ نظر علماء میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اجتہاد کو ممنوع قرار دیتا ہو۔ بلکہ قدیم و جدید بہت سے اصحابِ فکر اس کی ضرورت و اہمیت کے قائل رہے ہیں۔ اور آج بہت سے جدید حلقوں سے اس کی مانگ کی جا رہی ہے تاکہ آج عالمِ اسلام اور عالمِ انسانی جن جدید معاشرتی تمدنی اور اجتماعی مسائل سے دوچار ہیں اُن کا صحیح حل اسلامی شریعت کی روشنی میں معلوم کیا جائے۔ مگر اجتہاد کے کچھ شرائط ہیں جنہیں پورا کرنا ضروری ہے اور اس کام کے لئے عربی زبان اور علومِ اسلامیہ میں کمال حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ کوئی شخص محض ترجموں کے ذریعہ نہ تو قرآن اور حدیث کی باریکیوں کو سمجھ سکتا ہے اور نہ منصبِ اجتہاد پر فائز ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ آج ہندستان کے اکثر "دانشور" محض ترجموں کی مدد سے "اجتہاد" کی کرسی پر براجمان

---

[27] اسباب اختلاف الفقہاء ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن الترکی، ص ۳۵، مطبوعہ ریاض۔

ہو جانا چاہتے ہیں۔ اور پھر وہ اجتہاد کے نام پر منصوص احکام کو بھی بدل دینا چاہتے ہیں۔ تو یہ اجتہاد نہیں بلکہ دین کی "تحریف" ہے، جو ایک مذموم حرکت ہے۔

غرض اگر کسی کو صحیح معنی میں اجتہاد کرنا ہے تو وہ بڑے شوق سے کرسکتا ہے۔ کیونکہ اسلام میں پاپائیت نہیں ہے۔ یعنی یہ نہیں کہ جس طرح بائبل کی تشریح کا حق صرف چرچ کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا، اس طرح اسلام میں بھی یہ حق کسی مخصوص ادارہ کے ساتھ خاص ہوگا۔ بلکہ ہر شخص یہ مقام و مرتبہ حاصل کرسکتا ہے، بشرطیکہ وہ اپنے میں اس کی اہلیت رکھتا ہو۔ اس کام کے لئے محض "پڑھا لکھا" ہونا کافی نہیں ہے۔ یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ جس کو محض "چھری چلانا" آتا ہو وہ سرجری کرنے کا دعویٰ بھی کر بیٹھے! آخر ایسا کون پاگل شخص ہوگا جو سرجری کا علم حاصل کئے بغیر انسانوں کی چیر پھاڑ کو جائز قرار دے دے؟

اگر اجتہاد کی کرسی پر فائز ہونا ہے تو سب سے پہلے قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی کا صحیح علم (مع ائمہ کرام کے دلائل کے) حاصل کرنا اور "اُصولِ فقہ" میں بصیرت پیدا کرنا ضروری ہے، جس میں اسلامی شریعت کے چار بنیادی ماخذوں (قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس) کے اُصول و مبادی سے بحث کرکے ان کے باہمی روابط اور اُن کے حدود کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اس علم میں کمال حاصل کرنے کے بعد ہی کوئی شخص مجتہد بن سکتا اور غیر مذکور مسائل کا حکم مذکور شدہ احکام کی روشنی میں تلاش کرسکتا ہے۔

اس قسم کے اجتہاد کی ضرورت کے علماء ہر دور میں قائل ہیں۔ چنانچہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں: اجتہاد ہر زمانے میں فرضِ کفایہ ہے۔ اور یہاں پر اجتہاد سے مراد ویسا "مستقل اجتہاد" نہیں ہے جیساکہ امام شافعی (وغیرہ) کا تھا۔ بلکہ مقصود "انتسابی اجتہاد" ہے، جو شرعی احکام کے تفصیلی دلائل کو جاننے اور مجتہدین کے طریقے پر مسائل کا استخراج کرنے کا نام ہے۔ [28]

---

[28] مصفّٰی شرح موطا

اُستاذ عبدالوہاب خلاف مصری "اجتہاد بالرائے" کی تعریف کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ "اس سے مُراد غور و فکر اور شریعت کے ہدایت کردہ وسائل کے ذریعہ کسی ایسے واقعہ کے حکم تک پہنچنے کی کوشش کرنا ہے جس کے بارے میں شریعت خاموش ہو"[۲۹]

اجتہاد کے موضوع پر جدید کتابوں میں ڈاکٹر یوسف قرضاوی کی "الاجتهاد فی الشریعة الاسلامیة" ایک اچھی اور مفید کتاب ہے، جس میں موصوف نے اجتہاد کے لئے آٹھ شرطیں ضروری قرار دی ہیں جو یہ ہیں: (۱) قرآن کا علم (۲) حدیثِ شریف کا علم (۳) عربی زبان کا علم (۴) اجماع کا علم (۵) اُصولِ فقہ کا علم (۶) مقاصدِ شریعت کا علم (۷) انسانوں اور معاشروں سے واقفیت (۸) اور مجتہد کا عادل و متقی ہونا[۳۰]

نیز موصوف اجتہاد کی ضرورت و اہمیت پر زور دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ "اگرچہ ہماری فقہی میراث کی قدر و قیمت اور اُس کی عظمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، تاہم یہ کہنا مبالغہ ہوگا کہ قدیم فقہ میں ہر نئے مسئلے کا جواب موجود ہے۔ ہر زمانے کی ضروریات و مشکلات الگ الگ ہوتی ہیں اور ہر دور میں ایسے نئے نئے مسائل جنم لیتے رہتے ہیں جن کا سابقہ ادوار میں کوئی تصور ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب پچھلے ادوار میں ان کا تصور ہی نہ رہا ہو (مثلاً انشورنس اور انسانی اعضاء کی پیوندکاری وغیرہ) تو ان پر حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے؟ اسی طرح ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ بعض قدیم واقعات پر ایسے احوال و اوصاف طاری ہوجائیں جس کی بناپر ان واقعات کی طبیعت اور تاثیر ہی بدل جائے، جس کے باعث وہ قدیم فتاویٰ کے مُطابق نہ رہ جائیں"[۳۱]

نیز وہ مزید تحریر کرتے ہیں: "یہ وہ صورتِ حال ہے جس کی بناپر خود محققین فقہاء نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ زمانہ، جگہ، عُرف اور حالت کی تبدیلی سے فتویٰ میں تبدیلی ضروری

---

[۲۹] مصادر التشریع الاسلامی، ص ۷، مطبوعہ کویت۔

[۳۰] الاجتهاد فی الشریعة الاسلامیة، ڈاکٹر یوسف قرضاوی، ص ۱۷ - ۴۹

[۳۱] ایضاً، ص ۱۰۱ (خلاصہ) مطبوعہ دارالقلم کویت، ۱۴۰۶ ھ

ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جیسے جیسے زندگی کے حالات میں جدّت اور معاشرے کے حالات میں تبدیلی ہوتی جائے گی ـــ اور جب تک اسلامی شریعت ہر دور اور ہر خطہ کے لئے موزوں رہے گی، اجتہاد بھی ایک دائمی ضرورت کی حیثیت سے باقی رہے گا۔ اور خاص کر ہمارے دور کو دیگر ادوار کی بہ نسبت اجتہاد کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ آج صنعتی انقلاب کے بعد اجتماعی اُمور و مسائل میں نہایت درجہ زبردست تبدیلیاں آگئی ہیں۔ اور آج پوری دنیا سمٹ کر ایک چھوٹے سے شہر کے مانند بن گئی ہے۔"[۳۲]

اجتہاد کے نئے آفاق

ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اجتہاد کے بعض نئے نئے میدانوں کا بھی تعارف کرایا ہے جن کا قدیم دور میں کوئی تصور نہیں تھا۔ چنانچہ وہ اس باب میں خاص کر بعض اقتصادی و مالی اور طبی مسائل کا تذکرہ کرتے ہیں جن کی آج بڑی اہمیت ہے۔ مثلاً لائف انشورنس، اشیاء و جائیداد کا انشورنس اور بنکاری (BANKING) کے مختلف مسائل وغیرہ[۳۳] اسی طرح وہ تحریر فرماتے ہیں کہ موجودہ دور میں جدید سائنس اور ٹکنالوجی طبی میدان میں ایسے ایسے کارنامے انجام دے رہے ہیں جو دورِ قدیم میں خارقِ عادت چیزیں یا معجزات تصوّر کئے جاتے تھے۔ مثلاً انسانی اعضاء کی پیوند کاری دل گُردوں کی تبدیلی، ایک شخص کا خون دوسرے کے جسم میں پہنچانا وغیرہ۔ ان پیچیدہ مسائل کا حل شرعی حیثیت سے کیا ہے؟ آیا شریعت کی نظر میں یہ اور اس قسم کے افعال ایک انسان کی جان بچانے کے لئے جائز ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ ان سب کا تشفی بخش جواب "نصوصِ شریعت" کی روشنی میں ایک مجتہد کو دینا ضروری ہے۔[۳۴]

نیز اسی طرح ایک مسئلہ "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کا ہے کہ آیا شرعاً یہ فعل جائز ہے یا

۳۲؎ ایضاً، ص ۱۰۱-۱۰۲

۳۳؎ ایضاً، ص ۱۰۲-۱۰۳

۳۴؎ ایضاً، ص ۱۰۴-۱۰۵

نہیں، اگر جائز ہے تو اس کے حدود کیا ہیں ؟ پھر اس کے بعد نسب اور وراثت وغیرہ کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان تمام نئے مسائل کا حل اسلام کی دائمی شریعت کی روشنی میں نکالنا بہت ضروری ہے۔

اسی طرح موجودہ دور میں رُویتِ ہلال اور اختلافِ مطالع کا مسئلہ اُمّت کے درمیان باعثِ نزاع بنا ہُوا ہے۔ اور اس سلسلے میں ایک بحث یہ بھی ہے کہ آیا فلکیاتی نقطۂ نظر سے رُویتِ ہلال پر استدلال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو کیوں اور اگر نہیں تو کیوں؟ کیا اس سلسلے میں قرآن اور حدیث کے دائمی نُصوص میں موجودہ دور کے لئے کوئی رہنمائی موجود ہے ؟

لہٰذا اب ہمارے "نئے مجتہدین" کو قدیم مسائل یا بعض طے شدہ مسائل پر فرسودہ طریقے سے اعتراضات کرنے یا ان میں مغز مارنے کے بجائے ان جدید مسائل پر اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیئے۔ اور اس قسم کے مسائل میں اجتہاد سے شاید ہی کسی مسلمان کو انکار ہو سکے۔

واضح رہے کہ آج کل بعض جدید حلقوں میں " اجتہاد " کا جو نعرہ بلند کیا جا رہا ہے اُس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کسی واقعی ضرورت کے تحت نہیں بلکہ محض ہندستانی سیاست دانوں کے مطالبے یا دباؤ کے تحت ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ مسلم معاشرے کو درپیش جدید مسائل کی طرف توجہ مبذول کرنے کے بجائے یہ لوگ صرف انہی دو گِھسے پِٹے مسائل میں اجتہاد کرنا چاہتے ہیں جن کے بدلنے پر ہندستانی سیاست داں زور دے رہے ہیں۔ یعنی طلاق اور تعددِ ازدواج (POLYGAMY) کے مسائل۔ چنانچہ آپ اس سلسلے کے کسی بھی سمینار کی رپورٹ یا کوئی بھی مقالہ دیکھ لیجئے جو آج کل ہندستان کے نئے "وکیلوں" کی جانب سے پیش کئے جا رہے ہیں۔ سب کی تان ان ہی دو مسائل پر ٹوٹتی ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی شریعت میں یہی دو مسائل ایسے رہ گئے ہیں جن پر "اجتہاد" کرنے کی ضرورت اب ان " مجتہدین " کو پیش آگئی ہے ؟ کیا ان کے علاوہ اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں رہ گیا ہے جس پر مسلمانوں کو رہنمائی کی ضرورت ہو ؟

ایک اجتہاد بورڈ کا قیام ضروری

غرض اس طرح کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں، جن کا حل موجودہ دور میں شریعت کی روشنی میں نکالنا اور اُمتِ مُسلمہ کی رہنمائی کرنا ضروری ہے۔ تاکہ اُمتِ مُسلمہ دورِ جدید میں اپنی صلاحیت پوری طرح ثابت کر سکے۔ مگر یہ کام کسی فردِ واحد کے بس کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اس سلسلے کی شرائط بہت سخت ہیں۔ لہٰذا موجودہ دور میں یہ کام بجائے انفرادی طور پر انجام دینے کے اجتماعی طور پر انجام دینا زیادہ بہتر ہے۔ اور اس میں غلطیوں کے وقوع کا امکان بھی کم سے کم ہو سکتا ہے۔ اور آج اکثر علماء کی بھی یہی رائے ہے۔ مثلاً ڈاکٹر یوسف قرضاوی تحریر کرتے ہیں:

"ہمارے دور میں اجتہاد کو ایک علمی اکیڈمی کی صورت میں ہونا چاہئے، جو اُونچے درجے کے فقہی معیار پر مشتمل ہو۔ اور وہ اپنے احکام (فتاویٰ) بغیر کسی اجتماعی و سیاسی دباؤ کے پُوری آزادی و بے باکی کے ساتھ صادر کر سکے۔ مگر اس کے باوجود انفرادی اجتہاد سے بھی مفر نہیں ہے۔ بلکہ یہی انفرادی اجتہاد اجتماعی اجتہاد کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ عمیق مطالعہ اور بحث کو پیش کرتا ہے۔ بلکہ اجتہاد اپنی اصل تعریف کے اعتبار سے سب سے پہلے ایک انفرادی عمل ہوتا ہے۔"[۳۵]

اسی طرح موصوف نے انفرادی و اجتماعی اجتہاد کے علاقہ اور اُس کے تعلق پر بھی بخوبی روشنی ڈالی ہے۔ پھر اس کے بعد موصوف مزید تحریر فرماتے ہیں کہ اجتہاد آج کے دور میں ہماری زندگی کے لئے ایک اسلامی ضرورت اور ہمارے موجودہ تمام (تمدنی و اجتماعی) مشکلات کا (واحد) علاج ہے۔ ورنہ ہم پر جمود و انحطاط طاری ہو سکتا ہے۔ اور پھر ہمارا یہ جمود اور بے حرکتی نہ تو افلاک کی حرکت کو روک سکتی ہے اور نہ زمین کی گردش کو۔"[۳۶]

غرض ان تمام اعتبارات سے ایک "اجتہاد بورڈ" یا "فقہ اکیڈمی" کا قیام موجودہ

---

[۳۵] الاجتہاد فی الشریعۃ الاسلامیۃ، ص ۱۰۷

[۳۶] مرجع سابق، ص ۱۰۷ - ۱۰۸

حالات میں نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا اب ہندستان کے مسلمانوں کو اس سلسلے میں فوری اقدام کرنا چاہئے، تاکہ ہماری ملت کو درپیش تمام مسائل کا حل اسلام کی دائمی شریعت کی روشنی میں نکالا جاسکے۔

وقت کی پکار

اس اعتبار سے اجتہاد ہر دور میں ضروری ہے، تاکہ اس کے ذریعہ جہاں ایک طرف نئے نئے مسائل کا حل نکالا جاسکے تو دوسری طرف ہر دور کے ذہن و دماغ اور اُس کی عقلیت کے پیش نظر اسلامی شریعت کو مطابقِ عقل بھی ثابت کیا جاسکے، تاکہ ہر دور میں خُدائی قانون کا بول بالا ہو اور نوع انسانی کے ذہنوں میں اُس کی برتری کا سکہ بیٹھ جائے۔

ظاہر ہے کہ اسلامی شریعت کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہر دَور میں ایسے جیّد اور پختہ کار علماء اور اہلِ بصیرت کی ضرورت ہے جو خُدائی قانون کی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھتے ہوئے یہ دونوں خدمتیں بخوبی ادا کرسکیں۔ یعنی وہ ایک طرف نئے نئے معاشرتی، اجتماعی اور تمدنی مسائل و مشکلات کا حل دینِ ابدی کے اُصول و مبادی میں تلاش بھی کرتے رہیں، تو دوسری طرف خُدائی قانون کو مطابقِ عقل ثابت کرکے اسلامی ضابطۂ حیات کا بول بالا بھی کرسکیں، تاکہ مخالفِ دین تحریکوں اور فتنوں کا مقابلہ اور اسلامی شریعت کا دفاع بھی پوری طرح ہوتا رہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے اُن کی عقلی حکمتوں اور مصلحتوں سے دُنیا کے علوم بھرے ہوئے ہیں اور تحقیقاتِ جدیدہ کی روشنی میں یہ حقائق روز بروز نکھر کر ہمارے سامنے آرہے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے اُن کی مضرتیں بھی جدید علوم کی روشنی میں پُوری طرح کُھل کر سامنے آرہی ہیں۔ مثلاً اسلامی شریعت میں خنزیر کے گوشت کو "رِجْس" یعنی گندہ چیز ہونے کی بنا پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور جدید طب وسائنس اس کی "گندگی" یعنی اس کی مضرت رسانی پر پوری طرح متفق ہے۔ (اور اس موضوع پر راقم سطور کی ایک کتاب زیرِ تکمیل ہے) اس اعتبار سے ضرورت ہے کہ ہمارے علماء جدید علوم وفنون کا مطالعہ کرکے اسلامی

شریعت کی حقانیت کو اُجاگر کریں اور اُس کا روشن و تابناک چہرہ دُنیا کو دکھائیں تاکہ دنیا پُوری طرح باور کرلے کہ اسلامی شریعت اور اُس کے قوانین غیر معقول چیزوں کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ علم و عقل کی میزان اور اس کی ترازو میں پُوری طرح تُلتے اور ہر لحاظ سے کھرے ثابت ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے اسلامی شریعت ایک خُدائی معجزہ ہے جس کی تابناکی سے نگاہیں خیرہ ہوسکتی ہیں۔

آج اُمتِ مُسلمہ پندرھویں صدی ہجری میں داخل ہوچکی ہے اور اکیسویں صدی عیسوی کے دروازے پر کھڑی ہے۔ اس طرح وہ ایک نئے دور کی نقیب ہے جس کا مقابلہ اب عقلیت پسندوں یا ریشنلسٹوں سے ہے۔ لہٰذا اب اُسے اپنے دور کی عقلیت و منطقیت کے مطابق اپنے دین اور احکامِ دین کی معقولیت سمجھانی ہے۔ اس اعتبار سے اب محض روایاتی طریقے سے کام نہیں چل سکتا۔ بلکہ آج نوعِ انسانی کو اپنے جن علوم و فنون پر ناز ہے، انہی علوم و فنون کی روشنی میں اسلامی شریعت کی عظمت و برتری کا اثبات کرنا ہوگا۔ ورنہ خود شرعی اعتبار سے بھی اس باب میں اتمامِ حُجت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو صاف صاف فرماتا ہے "قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ" (کہدو کہ اللہ ہی کی حجت غالب رہے گی) اور اللہ کی حجت کو غالب کرنا اللہ کے فرمانبرداروں کا کام ہے۔ کیونکہ اللہ نے یہ ذمہ داری انہی کے سپرد کی ہے۔

اس اعتبار سے آج ایک نئے غزالی اور نئے ابنِ تیمیہ کی ضرورت ہے، تاکہ موجودہ مُعاندانہ "عقل پرستی" کو علمی میدان میں شکست دے کر اس کا دھارا دین و مذہب کی طرف موڑا جا سکے۔ یہ وقت کی پکار ہے، جس کی طرف اہلِ اسلام کو اپنی اولین فرصت میں توجہ کرنی چاہئے۔ ورنہ آنے والا وقت ہمیں کبھی معاف نہ کرے گا۔ بلکہ ہم خُدا کے نزدیک بھی مُجرم اور گنہگار قرار دے دئے جائیں گے۔

راقم سطور نے اس سلسلے میں اپنی بساط کے مُطابق چند کتابوں کے لکھنے کا پروگرام بنایا ہے۔ ان میں سے کچھ زیرِ تکمیل ہیں۔ اور وہ انشاء اللہ عنقریب منظرِ عام پر آئیں گی۔ اس سلسلے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ آج جن اسلامی قوانین کو سب سے زیادہ نشانہ یا ہدفِ ملامت

بنایا جارہا ہے انہی موضوعات پر سب سے پہلے کام کیا جائے۔ مثلاً مرد اور عورت کی مکمل مساوات کا دعویٰ جو جدید ترین حیاتیاتی حقائق (BIOLOGICAL FACTS) کے خلاف ہے۔ اسی طرح طلاق اور تعددِ ازدواج (POLYGAMY) کے جواز پر آج سب سے زیادہ تنقید کی جاتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ متمدن دنیا اب آہستہ آہستہ اسلامی قوانین کی حقانیت کو (کچھ تو عملاً اور کچھ نظریاتی طور پر) تسلیم کرنے پر مجبور نظر آرہی ہے۔ جیسا کہ دنیا کے مختلف قوانین اور ان کی حالیہ تبدیلیوں سے پتہ چلتا ہے۔ یہی حال دیگر تمام قوانین کا بھی ہے۔ اور وہ وقت انشاء اللہ جلد یا بدیر ضرور آنے والا ہے جب وہ اسلامی قوانین کی گود میں پناہ لینے پر پوری طرح مجبور ہو جائے۔ وما ذلك علی اللہ بعزیز۔

۲۰/ ذی الحجہ / ۱۴۰۷ھ

پندرھویں صدی ہجری کے لئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کا ایک عظیم تحفہ

ایک حیات آفریں پیغام

تاریخ دعوت وعزیمت

(چھ حصوں میں)

حصہ اول: پہلی صدی ہجری سے لے کر ساتویں صدی ہجری تک عالم اسلام کی اصلاحی وتجدیدی کوششوں کا تاریخی جائزہ، نامور مصلحین اور ممتاز اصحاب دعوت وعزیمت کا مفصل تعارف، ان کے علمی کارناموں کی روداد اور ان کے اثرات ونتائج کا تذکرہ۔

حصہ دوم: جس میں آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم ومصلح شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی سوانح حیات، ان کے صفات وکمالات، ان کی علمی وتصنیفی خصوصیات، ان کا تجدیدی واصلاحی کام اور ان کی اہم تصنیفات کا مفصل تعارف اور ان کے ممتاز تلامذہ اور منتسبین کے حالات۔

حصہ سوم: حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ، حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے سوانح حیات، صفات وکمالات، تجدیدی واصلاحی کارنامے، تلامذہ اور منتسبین کا تذکرہ وتعارف۔

حصہ چہارم: یعنی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (۹۷۱ھ-۱۰۳۴ھ) کی مفصل سوانح حیات، ان کا عہد اور ماحول، ان کے عظیم تجدیدی وانقلابی کارنامے کی اصل نوعیت کا بیان، ان کا اور ان کے سلسلے کے مشائخ کا اپنی اور بعد کی صدیوں پر گہرا اثر اور ان کی اصلاحی وتربیتی خدمات۔

حصہ پنجم: تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ احیائے دین، اشاعت کتاب وسنت، اسرار ومقاصد شریعت کی توضیح وتنقیح۔ تربیت وارشاد اور ہندوستان میں ملت اسلامی کے تحفظ اور تشخص کے بقا کی ان عہد آفریں کوششوں کی روداد، جن کا آغاز حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اخلاف وخلفا کے ذریعے ہوا۔

حصہ ششم: حضرت سید احمد شہیدؒ کے مفصل سوانح حیات، آپ کے اصلاحی وتجدیدی کارنامے اور غیر منقسم ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک جہاد وتنظیم اصلاح وتجدید اور احیائے خلافت کی تاریخ۔ (دو جلدوں میں مکمل)

ناشر: فضل ربی ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱-کے-۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸

مفکر اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ
کی چند اہم شاہکار تصنیفات

- تاریخ دعوت و عزیمت مکمل ۵ حصے
- مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
- انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
- منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین
- دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
- تذکرہ فضل الرحمن گنج مراد آبادیؒ
- تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
- تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب
- عرب سے کچھ صاف صاف باتیں
- نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں
- جب ایمان کی بہار آئی
- مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت
- حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب
- عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح
- تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک
- مطالعہ قرآن کے مبادی اصول
- سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
- خواتین اور دین کی خدمت
- کاروان ایمان و عزیمت
- سوانح مولانا عبد القادر رائے پوریؒ

- نبی رحمت مکمل
- حدیث کا بنیادی کردار
- معرکۂ ایمان و مادیت
- پرانے چراغ مکمل ۳ حصے
- ارکان اربعہ
- نقوش اقبال
- کاروان مدینہ
- قادیانیت
- تعمیر انسانیت
- حدیث پاکستان
- اصلاحیات
- صحبتے با اہل دل
- کاروان زندگی مکمل
- مذہب و تمدن
- دستور حیات
- حیات عبد الحی
- دو متضاد تصویریں
- تحفۂ پاکستان
- پا جا سراغ زندگی
- عالم عربی کا المیہ

ناشر: فضل ربی ندوی — فون ۹۲۱۸۱۶ – ۹۲۰۸۹۹

مجلس نشریات اسلام ۱-کے-۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی ۱۸